HABIBIA ISLAMICUS
(The International Journal of Arabic &Islamic Research) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN:2664-4916 (P) 2664-4924 (E)
Home Page: http://habibiaislamicus.com
Approved by HEC in Y Category
Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,** Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

TOPIC:

PROMOTION OF EDUCATION SECTOR OF PAKISTAN IN THE LIGHT OF HOLY PROPHET'S TEACHINGS

پاکستان میں تعلیمی شعبہ کی ترقی سیرت النبیؐ کی روشنی میں

AUTHORS:

1- *Dr. Muhammad Iqbal Khan, PST Govt of Punjab Education Department, Multan, Pakistan, Email ID: iqbalmtn@yahoo.com*
2- *Prof. Dr. Hafiz Munir Ahmed Khan, Dean, Faculty of Islamic Studies, University of Sindh, Jamshoro. Email ID: hafizmunirahmedkhan@gmail.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0001-5009-6766*
3- *Dr. Mufti Imran-ul-Haq, Assistant Professor, Department of Quran & Sunnah, University of Karachi. Email ID: mihaq@uok.edu.pk Orcid ID: https://orcid.org/0009-0009-2338-3482*

How to Cite: *Khan, Muhammad Iqbal, and Hafiz Munir Ahmed Khan. Mufti Imran-ul-Haq, 2024. "PROMOTION OF EDUCATION SECTOR OF PAKISTAN IN THE LIGHT OF HOLY PROPHET'S TEACHINGS: پاکستان میں تعلیمی شعبہ کی ترقی سیرت النبیؐ کی روشنی میں". Habibia Islamicus (The International Journal of Arabic and Islamic Research) 8 (3):37-60.*
DOI: https://doi.org/10.47720/hi.2024.0803u03.
URL: https://www.habibiaislamicus.com/index.php/hirj/article/view/309
Vol. 8, No.3 || July –September 2024 || P. 37-60
Published online: 2024-09-30

QR. Code

PROMOTION OF EDUCATION SECTOR OF PAKISTAN IN THE LIGHT OF HOLY PROPHET'S TEACHINGS

پاکستان میں تعلیمی شعبہ کی ترقی سیرت النبیؐ کی روشنی میں

Muhammad Iqbal Khan, *Hafiz Munir Ahmed Khan,* *Mufti Imran-ul-Haq,*

ABSTRACT:

This article is about the education sector in Pakistan. No doubt, the development of the educational sector depends upon the resources. The developing countries are backward due to a lack of financial resources. The purpose of this article is to find the societal tendency and its causes of decline and promotion regarding development of the society. And developing education in society refers to the shifting of cultural values from one generation to another generation also. And there is a positive relationship between education and development. And this relation can be seen easily in developing countries and developed countries. As for the case of Pakistan, it is an Islamic state but here from the education sector to the judiciary system all are quite different for the rich and for the poor. Different educational systems also spread different cultures and different points of view regarding life and even about the Islamic teachings also. The Eastern point of view of development from the Western point of view of development. So there is a need to unite the Muslims within the country and outside the country. Only divine commandments and the Holy Prophet's (P.B.U. H.) Teachings and guidelines that can unite the Muslims and improve the educational status & condition of inhabitants of Pakistan. In short, in this article, this struggle is presented briefly.

KEYWORDS: *Promotion, Education, Holy Prophet (P.B.U.H) Backward, Unity. Point of views.*

تعارف: یہ ایک حقیقت ہے کہ تعلیمی ترقی کا دارومدار وسائل سے ہی ممکن کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ وسائل کی فراوانی تعلیمی ترقی پیدا کرتی ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو غریب کبھی پڑھ لکھ نہیں سکتے اور امیر سارے تعلیم یافتہ ہوتے۔ البتہ وسائل سے مسائل کے حل میں آسانی ہو جاتی ہے۔ کسی قوم کی ترقی کا انحصار اس کے افراد کے تعلیم یافتہ ہونے پر ہے۔ مکتب ہی وہ جگہ ہے جہاں پر تعلیم کا فریضہ ادا ہوتا ہے۔ مکتب میں بچوں کی صرف تعلیم کا اہتمام ہوتا ہے بلکہ ان کی مختلف صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے پورا پورا انتظام کیا جاتا ہے تا کہ وہ اچھے شہری ثابت ہو سکیں اور ان کا وجود ملک کے لئے مفید ثابت ہو۔ یہ تعلیمی ادارے ہی تو ہیں جہاں سے قوم کے لئے سائنس دان، سیاستدان، ڈاکٹر، انجینئر، ماہرین قانون، ماہرین تعلیم اور اعلیٰ منتظم پیدا ہوتے ہیں جو قوم کی کشتی کے ناخدا ہیں۔ قوم کی تعمیر و تشکیل میں اور اصلاح معاشرہ میں مکتب موئثر کردار ادا کرتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ بڑی بڑی انقلابی تحریکیں مکتبوں سے ہی اٹھیں اور ان کے طلبہ نے بڑے بڑے انقلابی کام سرانجام دیئے۔[1] جہاں تک ترقی پذیر ممالک کی ترقی کا تعلق ہے اس کی پسماندگی کی وجہ فرسودہ آلات اور سائنس و ٹیکنالوجی کا فقدان ہے اور ٹیکنالوجی کے فقدان کی وجہ فرسودہ شعبہ جاتی نظام ہے اور ماہرین کی قلت اور فرسودہ رسومات سے لگاؤ ترقی پذیر ممالک کو مزید پسماندہ ہی رکھتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے بغیر ہم نہ تو خود انحصاری کی منزل پاسکتے ہیں اور نہ ترقی یافتہ اقوام عالم کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر بجٹ کی بھول بھلیوں میں سے صحیح اعداد و شمار نکالے جائیں تو قوم اپنی آمدنی کا ایک فیصد سے بھی کم حصہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ پر خرچ کرتی ہے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ایسی حالت میں قومی طاقت کا یہ اہم

ستون کیسے تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ بھارت نے اس سلسلے میں جو ترقی حاصل کی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی وزارت یوم آزادی سے لے کر اب تک وزیر اعظم کے پاس ہے۔ تیز رفتار ترقی کے حصول کا تقاضا ہے کہ پاکستان میں بھی افسر شاہی بال کی کھال اتارنے والی پالیسیوں سے سائنس اور ٹیکنالوجی کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ محکمہ وزیر اعظم ذاتی طور پر خود سنبھالے۔ مختلف ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ جو محکمہ براہ راست وزیر اعظم کے پاس ہوتا ہے وہ بڑی حد تک سرخ فیتوں اور خواہ مخواہ کی انتظامی روکاوٹوں سے بچا رہتا ہے۔[2] ترقی پذیر ممالک میں ترقی یافتہ سائنس و ٹیکنالوجی کے اختیار کرنے کے لئے وسائل کے ساتھ ساتھ سائنسی ماہرین کی بھی قلت ہوتی ہے ۔پھر یونیورسٹی اور ریسرچ سنٹروں کی ریسرچ سے استفادہ کی بجائے عملی طور پر ان کو پالیسیوں میں شامل نہیں کیا جا سکتا بلکہ پالیسی ساز بھی ترقی پذیر ممالک میں ریسرچ سنٹروں کی ریسرچ سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

اس امر سے کون ناواقف ہے کہ نئی ٹیکنالوجی بنانا بے حد مہنگا کام ہے اور کوئی بھی ملک نئی ٹیکنالوجی اکیلے بنانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اکثر ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک مل کر سائنس اور ٹیکنالوجی ریسرچ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ہمیں ایسی ریسرچ کلبوں کا ممبر بن جانا چاہئے تا کہ ہم غیر ملکی ٹیکنیکی معاونت خریدنے سے بچ جائیں اور ہمارے تربیت یافتہ افراد کو اپنے ملک میں اپنی ریسرچ جاری رکھنے کے مواقع میسر ہوں۔[3] ترقی پذیر ممالک اور ترقی یافتہ ممالک میں پالیسی ترجیحات کے علاوہ حصول تعلیم کے مقاصد میں بھی تفاوت پائی جاتی ہے۔ترقی پذیر ممالک میں تعلیم کا مقصد شخصیت اور کردار کی تعمیر کی بجائے روزگار کا حصول ہی ہوتا ہے جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں کردار کی تعمیر ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد شخصیت کی تعمیر و استحکام ہے جیسے حیات انسانی اپنے پیچھے کروڑوں برس کے مختلف مراحل چھوڑ کے آئی ہے اسی طرح اس کے آگے بھی زندگی کے ابد تک پھیلے ہوئے مختلف امکانات ہیں اور انسان ان دونوں کے درمیان ایک نہایت مختصر مگر ساتھ ہی نہایت نازک اور اہم کڑی ہے۔ کھربوں برس کی سابقہ زندگی اور اس طرح تا ابد پھیلی ہوئی آئندہ زندگی کے مقابلہ میں فرد انسانی کی ساٹھ ستر برس کی زندگی کی وہی حیثیت ہے جو پوری انسانی زندگی میں ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے کی ہو، بلکہ اس سے بھی بہت کم (دراصل یہ کہنا بھی محض سمجھنے سمجھانے کے لئے ہے ورنہ محدود کی "غیر مختتم" سے کوئی نسبت نہیں) مگر اس کی اہمیت اس ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصہ میں مرتب شدہ نتائج پر ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہے[4]

سماج کی تعریف:

فرد کی جمع افراد ہے۔ افراد کا اجتماع اور اکٹھ جو مل کر زندگی گزاریں وہ سماج یا معاشرہ کہلاتا ہے جسے انگریزی میں Society کہا جاتا ہے۔ تاہم وحید الدین خان کے مطابق:۔ سماج کیا ہے۔ بہت سے آدمیوں کا مل جل کر رہنا۔ جب بہت سے آدمی مل کر ایک ساتھ رہیں تو ان کے درمیان طرح طرح کے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کا رشتہ دار ہوتا ہے کوئی کسی کا پڑوسی۔ کوئی کسی کا ہم قوم ہوتا ہے کوئی کسی کا ہم وطن۔ کوئی تاجر ہے اور کوئی گاہک۔ کوئی مالک مکان ہوتا ہے اور کوئی کرایہ دار۔ اس طرح کے مختلف تعلقات کی بنا پر لوگوں کے درمیان بار بار معاملات پیش آتے ہیں۔ ان معاملات کے دوران کبھی کسی سے نفرت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں اور کسی سے محبت کے۔ کسی سے کچھ لینا ہوتا ہے اور کسی کو کچھ دینا۔ کسی سے اختلاف ہوتا اور کسی سے اتفاق۔ کوئی اپنا بن جاتا ہے اور کوئی غیر دکھائی دیتا ہے۔ یہ چیز ہے

جو لوگوں کے درمیان سماجی تعلقات پیدا کرتی ہے اور یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔ بہت سے پتھر ایک ساتھ پڑے ہوں تو ان میں باہمی تعلقات قائم نہیں ہوتے اس لئے ان کے درمیان مذکورہ قسم کے مسائل بھی پیدا نہیں ہوتے۔ مگر جب بہت سے انسان ایک ساتھ مل کر رہیں تو ان میں باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں اور اس بناء پر ان کے درمیان طرح طرح کے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔[5] مفتی تقی عثمانی معاشرتی بہتری کے لئے انفرادی اصلاح اور بہتری کو لازمی امر سمجھتے ہیں اور اصلاح کا آسان طریقہ خیال کرتے ہیں جو بہتر انداز میں تبدیلی لا سکتا ہے۔ معاشرہ کس چیز کا نام ہے؟ انہی افراد کا مجموعہ معاشرہ بن جاتا ہے۔ اگر ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے تو سارا معاشرہ خود بخود سدھر جائے۔ لیکن اگر ہر شخص دوسرے کی فکر کرتا رہے اور اپنے کو چھوڑتا رہے تو سارا معاشرہ خراب ہی رہے گا۔[6] یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی معاشرہ کے خوشگوار حالات یا ناخوشگوار حالات کا اندازہ اس معاشرہ کے افراد کے باہمی حالات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ باہمی خوشگوار تعلق رکھتے ہیں یا نہیں۔ معاشرہ افراد سے تربیت پاتا ہے افراد کے باہمی تعلقات کی خوشگواری سے ہی معاشرتی زندگی کو خوش گوار اور خوش تر بنایا جا سکتا ہے جس کے لئے ایک دوسرے کی ہمدردی، غم گساری، امداد اور اعانت اشد ضروری ہے۔ خدمت خلق یا سوشل سروس کے لئے سب سے زیادہ ایثار ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ دوسروں کی ضروتوں اور حاجتوں کو اپنی ضرورتوں اور حاجتوں پر ترجیح دی جائے اور انہیں مقدم سمجھا جائے۔[7]

کسی بھی معاشرہ کی تشکیل افراد کے علاوہ اداروں کی بھی مرہون منت ہوتی ہے۔ اداروں میں انصاف ہو گا تو افراد بھی منصف مزاج ہوں گے بصورت دیگر اداروں کی ظلم زیادتی کے اثرات افراد کے رویوں سے بھی ظاہر ہوں گے۔ معاشرہ بے شمار اداروں کا مجموعہ بھی ہوتا ہے۔ ان اداروں کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کے لئے تربیت یافتہ افرادی قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ضروری ہوتا ہے کہ ایک طرف یہ افرادی قوت معاشرے کی مثالی تہذیب اور ثقافت کی حامل ہو اور دوسری طرف مختلف النوع معاشرتی اداروں میں مختلف النوع فرائض انجام دینے کے لئے مختلف النوع صلاحیتوں اور قابلیتوں کے حامل افراد میسر ہوں۔ چنانچہ ان خصائص کی حامل افرادی قوت فراہم کرنا تعلیمی نظام کی ذمہ داری ہوتی ہے۔[8] رب العالمین نے اپنے آخری پیغمبر محمد مصطفیؐ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا یعنی ان کا پیغام صرف عرب دنیا تک محدود نہیں تھا بلکہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے دائمی وابدی پیغام ہے اسی لئے رب اللعالمین نے قرآن مجید کو بھی قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ بھی خود ہی لے لیا ہے۔ یہ معاشرہ جس کی ابتدا محلہ سے ہوئی جس میں نظام صلوٰۃ نے نظم، اطاعت امیر، باہمی تعاون، پابندی وقت، صفائی اور چستی پیدا کی۔ جسے زکوٰۃ وصدقہ نے معاشی افراط و تفریط سے بچا کر اس میں مالی ہمواری پیدا کی اور اسے معاشی تحفظ دے کر اور مستحکم کیا۔ روزوں نے جس کے افراد میں ضبط نفس ایثار اور روحانیت کے اوصاف پیدا کر کے اس کے انفرادی اجزا کو جمال و قوت سے مزین کیا۔ اب اسے علاقائی، ملکی اور قومی سطحوں سے اٹھا کر بین الاقوامی یا عالمی سطح پر لے جانے کی ضرورت تھی تا کہ پوری انسانیت بلا لحاظ رنگ و نسل اس سے مستفید ہو سکے۔ حضورؐ اس وجہ سے رحمتہ للعالمینؐ ہیں۔ کیوں کہ حضورؐ کا پیغام اور نظام دنیا بھر کے انسانوں کے لئے بلا تخصیص ملک و نصب، رحمت، اطمینان، معاشی تحفظ اور امن کا باعث ہے۔ اس لئے جب تک حضورؐ کے پیغام اور پروگرام پر مبنی معاشرہ پوری انسانیت کو اپنے آغوش میں نہ لے لیتا اس کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ حضورؐ کی بعثت کا مقصد ہی پوری انسانیت کو اوج کمال تک پہنچانا ہے۔[9] بلاشبہ ہر معاشرہ یا ملک کا نظام تعلیم اس معاشرہ کے افراد کی مذہبی و معاشرتی ضروریات کا متقاضی ہوتا ہے اور اس ملک کے نظام تعلیم سے ہی وہاں کے رہنے والوں کے عقائد کا بھی پتہ چلتا ہے۔ معاشرہ ایک وسیع تصور ہے اور تعلیم سے اس کے تعلق

کی کچھ جہتیں مختلف مقامات پر زیر بحث آئی ہیں۔ یہاں ہم صرف اس پہلو سے بحث کریں گے کہ تعلیمی اداروں کے انتظام و انصرام اور روز مرہ کارکردگی میں اس کا مثبت دخل ہونا چاہیئے۔ کوئی تعلیمی ادارہ جس علاقے کی ضروریات پورا کرتا ہے، ایک پرائمری سکول کسی دیہات کی ، ایک ہائی سکول کسی قصبے کی یا شہر کے کسی علاقے کی، اس طرح کالج اور جامعہ وسیع تر دائرہ ہیں۔ اس علاقے کا اور تعلیمی ادارہ کا باہمی رابطہ ، اسلامی نظام تعلیم کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ناگزیر ہے۔ ایسے معاشرہ کو اسلامی نہیں کہا جاسکتا جس کے افراد کو اپنے تعلیمی اداروں کی فکر نہ ہو، انہیں حکومت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں اور ان کی برائی اور بھلائی سے بے نیاز ہو جائیں۔[10] جب بھی کسی ملک کا نظام تعلیم اس ملک کی مذہبی یا معاشری ضروریات کے مطابق نہ ہو یا افراد کے درمیان منافقت اور افراتفری کا عالم ہو تو یہ چیز اتحاد کی ضرورت کو واضح کرتی ہے۔ معاشرے کی تشکیل کے لئے باہمی اتحاد و اتفاق کا ہونا ناگزیر ہے کیوں کہ اسی بنا پر ملک کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتحاد و اتفاق کی علامات کونسی ہوتی ہیں جن کی بنا پر کسی بھی گروہ کو اکٹھا کیا جائے ان میں وطن مذہب اور برادری ایسے عناصر ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے۔[11] کسی بھی معاشرہ کے افراد کے گھریلو حالات اور گھریلو ماحول اور گھر کے افراد کا رویہ اصل میں اس کی تربیت کرتا ہے۔ گھریلو طور پر پریشان حالات میں رہنے والے بچے بھی پریشانی کا شکار ہوتے ہیں لہذا والدین کو خیال رکھنا چاہیئے کہ کسی بھی معاشرے کے نظم میں خاندان یا گھر کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے لیکن ایک اسلامی معاشرہ کے نظم میں تو اسے غیر معمولی مقام دیا گیا ہے۔ قرآنی آیات، رسول کریمؐ کی احادیث، اور مسلمانوں کی تاریخی روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام نے زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس پر عمل میں گھر کو فیصلہ کن اہمیت ہوتی ہے یہ ایک مستحکم ادارہ ہوتا ہے۔ مغربی نظام میں خاندان کی تحلیل ہوتی ہے جس سے زوال آتا ہے۔ اشتراکی نظام تو خاندان کی شکست وریخت کر ڈالتا ہے۔ لیکن اسلام انسان کی فطرت کے مطابق اس کو صحیح مقام دے کر معاشرہ میں سکون کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ اس ادارہ کو صحیح رخ پر رکھنے میں سب معاشرتی ادارے اپنا اپنا حصہ ادا کرتے ہیں لیکن والدین کی ذمہ داری نہایت اہم ہے۔

تعلیم کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کسی رسمی تعلیمی ادارے میں داخلے سے پہلے کی عمر کل گھر میں گزرتی ہے اور بچہ سو فی صد والدین کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ جدید تحقیقات کے مطابق مستقبل کی زندگی کے بہت سے رویے اسی دور میں تشکیل پا جاتے ہیں۔ اس کے بعد تعلیمی ادارے میں داخلے کے بعد بھی وقت کا بیشتر حصہ گھر میں ہی گزرتا ہے اور اس لحاظ سے گھر کے اثرات سیرت و کردار پر برابر پڑتے ہیں۔[12] محمد قطب کے مطابق اچھے شہری سے زیادہ صالح مسلمان معاشرہ کے لئے زیادہ مفید ہوتا ہے اس لئے کیونکہ اس کے دل میں مادی جذبات کی بجائے روحانی جذبات کا غلبہ ہوتا ہے۔ ہر ملک میں اچھے شہری کی مختلف تعریف رائج ہے، مگر بنیاد میں ایک ہی جذبہ کار فرما ہے یعنی وطن اور قوم پرستش، اسے معبود کے درجے پر فائز کرنے کا عزم، جبکہ اس کے مقابلے میں صالح انسان یا مسلمان صرف خدا کا بندہ ہے، وہ وطن کی پوجا نہیں کرتا، نہ اس کی خاطر کسی ظلم کا ارتقاب کرتا ہے۔ اسی لئے ایک صالح انسان خواہ کہیں بھی چلا جائے اس کا رویہ یکساں ہوگا کہ اس کی نظر میں خدا ہر جگہ موجود ہے اور اس کی ایک ایک حرکت کی نگرانی کر رہا ہے۔[13] جہاں تک ماہرین کی آراء کا معاشرہ کو پروان چڑھانے میں تعلق ہے ان کے مطابق نظام تعلیم کے ذریعے ہی معاشرہ کے افراد کی تربیت کی جاسکتی ہے اور نظام تعلیم کی خرابی کی وجہ سے افراد کی تربیت بھی خراب انداز میں ہوگی۔ لہذا بہتر نظام تعلیم جو معاشرہ کے تقاضوں کو پورا کرے وہ عملی زندگی میں لوگوں کو کرنا ہوگا۔ اگر کسی معاشرہ کی کوئی پہچان ہے، اس کی پہچان کو اس نے قائم رکھنا اور مزید نمایاں کرنا ہے تو یہ کام عملی تعلیم کے ذریعے ممکن ہے۔

امریکی معاشرے کی شناخت کے اعتقادی پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر ہم اس کی ٹیکنالوجی کے پہلو پر غور کریں جو اس معاشرہ کا نہایت ہی نمایاں پہلو ہے تو اس کی ٹیکنالوجی، جو سمند کی گہرائیوں سے خلا کی پنہائیوں اور ذرے کے دل سے صحراؤں کی وسعتوں پر محیط ہے ۔جو ایک طرف ماضی میں Ice Age تک رسائی حاصل کرنے اور دوسری طرف Futuristic Planning پر ایک حد تک قادر ہے، کی پرداخت (Development) میں اس کے نظام تعلیم نے بڑا موئثر کردار ادا کیا ہے۔[14] معاشرہ کی حالت کو خاندانوں کی انفرادی حالت اور معاشری و معاشرتی حالات سے بھی جانچا جاسکتا ہے۔ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہم نے خاندانوں کی بجائے مالی حالات کو قابل ترجیح بنایا ہوا ہے۔معاشرہ خاندان کی اہمیت پر جتنا زیادہ زور دے گا،لوگ اتنا ہی زیادہ اپنے خاندان کو بنانے اور برقرار رکھنے کی کوششیں کریں گے۔اگر معاشرہ بذات خود فاسد ہے جس میں جنسی بے راہ روی بڑی حد تک پھیلی ہوئی ہے تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ کوئی شخص بھی اپنے کندھوں پر ایسی کسی ذمہ داری کا بوجھ ڈالنا قبول نہیں کرے گا جس کا تقاضا ایک خاندانی زندگی کرتی ہے۔[15] کسی بھی خاندان کی ابتدا ،کاغذی معاہدہ نکاح سے ہوتی ہے جو کہ بعد میں خونی رشتوں کی تخلیق کا سبب بنتا ہے یعنی بہت سے خونی رشتے بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی، بھانجا، بھانجی، بھتیجا، بھتیجی، پوتا پوتی کا آغاز ہوتا ہے۔خاندانی نظام کی اساس رشتہ ازدواج ہے۔اس رشتے کو اسلام نے دائمی رشتے کی حیثیت دی ہے ۔نکاح اس وقت معتبر ہے جب اس میں انقطاع اور اختتام کا نام نہ ہو، زبان سے بھی اسکا اظہار نہ ہو اور دل میں بھی اس کی نیت نہ ہو۔نکاح میں جب نکاح کی مدت کا تعین ہو تو یہ متعہ کہلاتا ہے۔دور جاہلیت میں متعہ کا رواج تھا، اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔اسی طرح اگر مدت کا تعین تقریری یا تحریری نہ ہو ایجاب و قبول میں اس کا ذکر نہ ہو لیکن دل میں مدت کا تعین ہو تو یہ بھی متعہ کے حکم میں ہے اور اسے بھی حرام قرار دے دیا گیا ہے۔[16]

تعلیمی ترقی اور قرآن حکیم:

جہاں تک مسلمان کی دینی علوم کی ترقی کا تعلق ہے تو اس کا تعلق دور اول کے سنہری صحابہ کرامؓ کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے ہوا ہے۔جیسا کہ ڈاکٹر سہیل شفیق درج ذیل انداز میں بیان کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں علوم کی ترقی ایک عجیب سلسلہ سے ہوئی ہے۔سب سے اول بنیاد ترقی علوم کی جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں ہوئی کہ انہوں نے زید بن ثابت کو متعین کیا کہ قرآن مجید کو اول سے آخر تک یک جا کر کے بطور ایک کتاب کے لکھ دیں چنانچہ انہوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود ہے۔دوسری دفعہ مسلمانوں کے علوم کو اس وقت ترقی ہوئی جب کہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا۔اگرچہ اول اول لوگ اس کو برا جانتے تھے (اور شاید ان کی رائے صحیح ہو) مگر دوسری صدی میں سب نے اس کی ضرورت کو قبول کیا اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کی کتابوں کے لکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔[17] مہذب اور تمدنی معاشرہ کو قائم کرنے میں مسلمانوں کے لئے بنیادی کردار ان کی الہامی کتاب کا ہی ہے جس کی وجہ سے بنیادی راہنمائی کا حصول ممکن ہوا ہے اور ان اصولوں سے روگردانی گویا مہذب معاشرہ سے روگردانی ہے ۔ قرآن کریم نے ایک مہذب معاشرے کے انسان کے لئے ضابطہ ءحیات پیش کیا۔اس عظیم کتاب میں وہ بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں جو ایک پسماندہ قوم کو ترقی کی راہ دکھانے کے لئے ضروری تھے اور جن کی قدر و قیمت وقت گزرنے کے ساتھ کم نہیں ہوئی۔اس میں نہ صرف توحید، رسالت اور دیگر ارکان دین کی نوعیت اور اہمیت واضح کی گئی ہے بلکہ ایک عام شہری کے لئے عام فہم ہدایات موجود ہیں جن سے ایک صحت مند اور ترقی پسند معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے۔[18] یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مادی ترقی، روحانی ترقی کے بغیر انسانیت کی وہ خدمت نہیں کر سکتی جب روحانی

ترقی اور اخلاقی ترقی کی موجودگی میں مادی ترقی کا حصول ممکن ہو جائے تو ایسی صورت حال بندے کو اپنے خالق کے بھی قریب کر دیتی ہے اور انسانیت کی بے جا تباہی و بربادی بھی نہیں چاہتی۔ ماضی کی اقوام جن کا تذکرہ قرآن کریم میں پایا جاتا ہے، جو پہاڑوں کو تراش کر محلات بناتے تھے اور جو احرام مصر جیسے حیران کن تعمیراتی کارنامے بغیر کسی "مغربی ٹیکنالوجی" کے کر سکتے تھے، ان سب اقوام نے جب الہامی ہدایت و اقدار کو چھوڑ کر یہ دعویٰ کیا کہ وہ خود مقام ربوبیت پر فائز ہیں یا دوسرے الفاظ میں وہ ایک قطبی طاقت ہیں جسے کوئی شکست نہیں دے سکتا، (انا ربکم الاعلیٰ) تو پھر ان کی تمام مادی قوت انہیں تباہی سے نہیں بچا سکی۔ آج ان کی ترقی کے قصے تاریخ کے دفتروں میں دفن ہیں۔ روم، ایران اور یونان دیومالاؤں سے زیادہ اہم مقام نہیں رکھتے۔[19] تعلیم کے عملی کردار کا اگر جائزہ لینا ہو تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تعلیم اور ترقی کا باہمی مثبت تعلق ہے کیونکہ ترقی یافتہ ممالک میں اور ترقی پذیر ممالک میں یہ فرق تعلیم کا ہی ہے۔ تعلیم ہی ترقی کی بنیاد ہے۔ اکیسویں صدی میں ہمیں اس مد میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا چاہئے تاکہ ہر شخص اکیسویں صدی کے تقاضوں سے نمٹنے کے لئے مسلح ہو سکے۔ میں اس مضمون کو وائٹ ہیڈ کی اس تنبیہ پر ختم کرتا ہوں اسے پڑھیے اور غور کیجئے کہ "جدید زندگی کی صورت حال میں ایک حتمی قانون ہے۔ جو نسل تربیت یافتہ ذہانت کی قدر نہیں کرتی فنا ہونے والی ہے۔ آج ہم اپنی ہٹ پر قائم ہیں۔ کل سائنس مزید ایک قدم اٹھائے گی۔ پھر اس فیصلے کے خلاف کوئی شنوائی نہ ہو سکے گی۔ جس کا اعلان کر دیا جائے گا، ان کے خلاف جو تعلیم سے بہرہ ور نہیں ہو پائے"[20] موجودہ دور میں یہ بھی ایک بد قسمتی ہے کہ اب خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں تعلیم کو سیرت سنوارنے کی بجائے تعلیم کا حصول ہی روزگار حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تعلیم سیرت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی جن کا مقصد ہی اور ہوتا ہے۔ تعلیم کی نوعیت کو بدلنا اور اس کو ترقی دینا، دینی عقائد کو درست کرنا، اخلاق و عادات کو سنوارنا، تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کی خرابیاں دور کرنا، رسوم رواج کی برائیوں کو مٹانا، عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا اور ملی اخوت، قومی اتحاد اور مذہبی رواداری کا احساس بیدار کر کے معاشرہ میں یک جہتی و ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، سرسید کی اصلاحی تحریک کے خاص مقاصد تھے اور اس کے اصول کے لئے انھوں نے بہت منظم جدوجہد کی۔[21] تعلیم کے ساتھ تربیت کے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ تعلیم کی نسبت تربیت ہی معاشرتی و معاشی لحاظ سے اہم سمجھی جاتی ہے اور عملی زندگی میں تربیت ہی سے آسانی پیدا کی جاتی ہے۔ تربیت کے پہلو کی طرف خاص توجہ نہیں دی جاتی، اسی وجہ سے تعلیم یافتہ غیر ہنر مند افراد کی فوج بے روزگاری میں اضافے کا باعث بنتی ہے دنیا بھر میں تعلیم اور تربیت کا نظریہ بنیادی سماجی خدمت سے ترقی کر کے انسانی وسائل کی صورت میں ڈھل چکا ہے اور یہی نظریہ انسانی وسائل کی ترقی کا ماخذ اور منبع ہے۔ انسان کی سماجی حیثیت اپنی جگہ، تاہم وہ معیشت سے تبدیلی کا بھی ذمہ دار ہے۔ چنانچہ جہاں انفرادی اور سماجی میدان میں اس کی ارتقائی ضروریات اہم ہیں، متوازن قومی ترقیاتی کوششوں میں اس کی بھرپور اقتصادی استعداد کی نمائش بھی کچھ اہم نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بنیادی تعلیم کی سٹیج (جسے سیکنڈری اسکول کی سطح پر ختم ہو جانا چاہئے اور جو کہ ہر فرد کا بنیادی حق ہے) سے آگے تعلیم اور تربیت کے شعبوں کو قومی تقاضوں کے مطابق مرکوز، مخصوص اور مربوط ہونا چاہئے اور تعلیم یافتہ افرادی قوت کے سامنے زمانے کے مطالبات بھی ہونے چاہئیں۔ سماجی ضروریات سے قطع نظر بنیادی تعلیم کی فراہمی عمل میں آنی چاہئے۔ اس کے ساتھ اعلیٰ تعلیم اور خصوصاً پیشہ وارانہ تعلیم (انجینئرنگ، میڈیکل، زراعتی اور ٹیکنکل وغیرہ) منڈی کی طلب پر مبنی ہونی چاہئے۔ اس بنیادی امر سے انحراف کا نتیجہ بے روزگاری میں ظاہر ہو سکتا ہے اور اقتصادی لحاظ سے غیر پیداواری اور سماجی لحاظ سے انتشار زدہ ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔[22] جہاں تک پاکستان کی ترقی میں تعلیمی شعبہ کا کردار کا تعلق ہے یہ کوئی قابل ذکر کردار اس لئے ادا نہیں کر

سکا کیوں کہ تعلیمی شعبہ میں آئے روز کے تجربات اور غیر ملکی تعلیمی پالیسیوں نے متعلمین اور معلمین کو پریشان کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ تعلیم ایک تجرباتی عمل ہے اس لئے تعلیمی مقاصد کے حصول کے لئے جو تبدیلیاں ضروری سمجھی جائیں انہیں پہلے تجرباتی طور پر بہت محدود حصوں، علاقوں میں روبعمل لایا جانا چاہئے تاکہ غیر جذباتی انداز اور ماحول میں نتائج کا جائزہ لیا جاسکے۔ یہ اس لئے اہم ہے کہ تعلیم ایک انتہائی پیچیدہ مشغلہ ہے اور اس میں ہر تبدیلی بہت سے مسائل پیدا کردیتی ہے۔ محدود ماحول میں ان مسائل کا مطالعہ کرلینا اور ان کا حل تلاش کرلینا آسان ہوتا ہے تاکہ جب وہ تبدیلی پورے نظام میں روبعمل لائی جائے تو مسائل قابو سے باہر نہ ہو جائیں۔ ہم اس سے پہلے بہت سے غیر تجرباتی تبدیلیوں کا کافی تجربہ کر چکے ہیں اور ان تبدیلیوں نے ہمارے نظام تعلیم میں زلزلہ لانے کی خدمت بھی انجام دی ہے۔[23]

تعلیمی نظام میں غیر یکسانیت ہونے کی وجہ سے ہمارے ملک پاکستان میں مختلف قسم کے کلچر اور مختلف قسم کی زبانوں میں تعلیمی ادارے قائم ہیں اور جن کا مقصد علم کی بجائے کاروبار کرنا ہے۔ کسی ملک کی تعلیمی ترقی اور معاشی سربلندی کا تعین اس کے اعلیٰ تعلیم کے اداروں کے معیار تدریس سے ہوتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں یونیورسٹی کی تعلیم میں تیز رفتار اضافہ ہوا ہے اس لئے اب استحکام و اصلاح اشد ضروری ہے۔ یہ بھی مطلوب ہے کہ پاکستان جیسے غریب ملک میں یونیورسٹیاں قومی نمو میں رہنمائی فراہم کرنے کے لئے اپنی نئی ذمہ داری سنبھالیں۔[24] تعلیمی نظام میں جاذبیت پیدا کرنا بھی نصاب کو تدوین کرنے والوں کا کام ہے۔ لہذا نصاب میں غیر ملکی مشاہیر کی بجائے ملکی اور اسلامی مشاہیر کو شامل کرنا طلباء کیلئے جوش کا باعث ہوتا ہے ورنہ دوسروں کے مشاہیر کے مطالعہ سے طلباء میں مایوسی جنم لے سکتی ہے۔ تعلیم ایک اہم کردار اور وظیفہ (Role) مستقل روایات اور اقدار کی حفاظت اور پاسداری ہے۔ البتہ تعلیم کے تنقیدی اور تخلیقی کردار سے پہلو تہی بھی نہیں کرنا چاہئے۔ اصل میں ماضی سے بے تعلقی اور اسے بے کار تصور کرنے کا نعرہ (Slogan) بھی مغرب کے لئے خدا فلسفہ کا ہی دیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ اس قوم کے لئے کوئی معنی رکھتا ہو، جس کا کوئی قابل قدر ماضی نہ ہو اور جو صرف مستقبل کی مادی ضرورتوں کو ہی اہمیت دیتی ہو۔ لیکن جس قوم کی ایک درخشاں تاریخ ہو، جس کا اپنا ایک قیمتی تاریخی و ثقافتی ورثہ ہو اور بحیثیت مجموعی جس کا اپنا ایک پاکیزہ نظام حیات ہو، وہ ماضی سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔[25] البتہ جہاں تک ترقی کے متعلق مشرقی نظریے اور مغربی نظریے میں فرق ہے تو مشرقی نظریہ جو کہ اسلامی نظریہ ہے وہ مادی ترقی کے ساتھ اخلاقی اور روحانی ترقی پر بھی زور دیتا ہے۔ جب کہ ترقی کا مغربی تصور سراسر مادی ترقی ہے اور روحانیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ معاشی ترقی انسانی تصور کی رو سے کیا ہے، مغربی تصور کی رو سے کیا ہے؟ اس کی شرائط اور تقاضے کیا ہیں؟ رکاوٹیں کیا ہیں؟ یہ بھی ایک اہم معاشی مسئلہ ہے جس پر منکرین اسلام نے غور کیا ہے۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق معاشی اور اجتماعی وسائل کی تیاری اور استعمال، افراد کار کی تیاری، کسب حلال کا بندوبست اور مسلم معاشرے کی مادی اور تہذیبی مقاصد کی تکمیل، یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جن کو ترقی کا اسلامی تصور قرار دیا جاسکتا ہے۔ ترقی کے اسلامی تصور میں صرف مادی ترقی شامل نہیں ہے۔ روحانی، اخلاقی، ذہنی اور تہذیبی ترقی بھی شامل ہے۔ قرآن مجید نے اس کو "حیاۃ طیبۃ" کے الفاظ سے یاد کیا ہے ایسی پاکیزہ اور ستھری زندگی جو ہر اعتبار سے پاکیزہ اور ہر اعتبار سے ستھری ہو، ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ آسمان اور زمین کی برکتیں تم پر کھل جائیں گی۔ یہ آسمان اور زمین کی برکتوں سے مراد تمام اخلاقی روحانی مادی اور اقتصادی برکات کا حصول ہے۔[26] ترقی کے اسلامی تصور میں روزگار حاصل کرنے کے ناجائز ذرائع اور ناجائز اور حرام اشیاء کے کاروبار کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی جب کہ مغربی تصور میں کاروبار میں حلال و حرام کا تصور مد نظر نہیں رکھا جاتا۔ اسلامی ریاست میں اقتصادی ڈھانچہ کا انتظام و انصرام خلافت کے قانونی حدود میں آتا ہے، جو زمینوں کا

معقول انتظام یا زمین دار اور مزارع کے مابین حکم کا کام سر انجام دے سکتا ہے۔ وہ نجی ملکیت کی انتہائی حد مقرر کر سکتا ہے، دولت کی مکرر تقسیم کے سلسلہ میں مداخلت کر سکتا ہے۔ قانون شریعت کے مطابق ٹیکس لگا سکتا ہے، سود خوری، قمار بازی یا دوسرے ناجائز استحصال کے طریقوں کو غیر قانونی قرار دے سکتا ہے۔ صنعت و تجارت اور دولت کے دوسرے ذرائع پیداوار کی ترقی کے لئے ترغیبات مہیا کر سکتا ہے۔ [27]

سماجی رویے اور تعلیمی ترقی:

ڈاکٹر عبد الرشید ارشد کے نقطہ نظر سے مسلمانوں کی معاشی تباہ حالی کی وجہ برصغیر میں انگریزوں کی مسلم دشمنی والی اور بغض والی پالیسیاں تھیں جس کی وجہ سے عربی اور فارسی کے عالم بے وقعت اور بے قدر ہو گئے۔ انگریزی قبضے اور حکومت کی پالیسیوں کے نتیجے میں مسلمان معاشی تباہ حالی سے دوچار ہوئے۔ اس صورت حال سے انہیں نکالنے اور انگریزوں کے ساتھ تعاون و مفاہمت کی فضا پیدا کرنے کے لئے سر سید احمد خان نے مسلمانوں میں تعلیم پھیلانے کی تحریک چلائی۔ چنانچہ مسلمانوں نے علی گڑھ تحریک کے زیر اثر جو تعلیمی ادارے قائم کئے وہ اسی انگریزی نظام تعلیم کا جزو تھے جو انگریز حکومت نے قائم کیا۔ البتہ مسلمانیت کو باقی رکھنے کے لئے اسلامیات کو ایک نصابی مضمون کی حیثیت میں شامل کیا گیا۔ یہ امتحانی مضمون نہ تھا اس کو پڑھانے والے اساتذہ دوسرے اساتذہ سے کمتر حیثیت رکھتے تھے اور یہ مضمون اسلام کو ایک تہذیب کی بجائے ایک مذہب کے طور پر پیش کرتا تھا۔ اس لئے حقیقتاً مقاصد میں کوئی فرق واقع نہ ہوا۔ [28] ڈاکٹر منظور احمد "اسلام اور چند فکری مسائل" میں تعلیم کے نصاب اور طریقہ تعلیم کی اہمیت کو بھی درج ذیل انداز میں بیان کرتے ہیں: ۔اس کلی ترقی یا خوش حالی سے تعلیم کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ تعلق دو سطح پر ہے، اولاً یہ کہ آپ کیا تعلیم دیں۔ دوم یہ کہ یہ تعلیم کس طرح دیں۔ گویا تعلیم کے مقاصد اور اس کی ساخت دونوں اسی کلی خوش حالی یا کلی ترقی کے تحت آجاتے ہیں۔ اگر آپ کو معاشرے کی کلی ترقی مقصود ہے تو آپ کو تعلیم میں معاشرے کی مادی اور سماجی ضروریات کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھنا ہو گا کہ معاشرے کی بلند قدریں کیا ہیں اور وہ کس طرح وجود میں آسکتی ہیں۔ ان اقدار سے میری مراد انسانوں کی ان صفات سے ہے جو معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی عمل پیدا کرتی ہیں۔ ضروریات انسان کو خود غرض، لالچی، ظالم، استحصال کرنے والا اور خود اپنی زندگی کی بھلائی چاہنے والا بنا دیتی ہیں۔ مادی مقاصد انسانوں بالعموم بے ایمانی، عدم رواداری، اپنا کام نکالنے اور اپنے مفاد کے لئے کسی بھی حربے کے استعمال کو جائز سمجھنا دوسروں کی ضروریات اور تکالیف کو نظر انداز کر دینا سکھاتے ہیں۔ تعلیم اگر صرف فوری مادی مقاصد کے لئے ہو تو وہ انسان کو انسانیت سکھانے کے بجائے اور اس کو نفسانی خواہشات بلند کرنے کے بجائے نفس پرست اور عیش پسند بنا دیتی ہے۔ [29] جدید دور کی اصطلاح "ہیومن ڈویلپمنٹ" بھی تعلیم پر زور دیتی ہے اور ہیومن ڈویلپمنٹ بھی تعلیم پر کی جانے والی سرمایہ کاری کو سب سے زیادہ منافع بخش سمجھتی ہے کیوں کہ معاشرے میں بھی اعلیٰ لیول تک تعلیم حاصل کرنے والے بنسبت کم سطح اور کم معیار کی تعلیم والوں کے روزگار اور اعلیٰ پائے کے معاوضوں کے مواقع زیادہ رکھتے ہیں۔ موجودہ دور میں تعلیم کو عالمی سطح پر ایک ایسا وسیلہ مانا گیا ہے جس کے ذریعے انسانی وسائل کو بھرپور ترقی دی جاسکتی ہے۔ ماضی قریب سے کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں، جن میں ایسے ممالک جہاں فطری وسائل تقریباً ناپید ہیں، تعلیم کے ذریعے اپنے انسانی وسائل کو فروغ دے کر پسماندگی کے اتھاہ غار سے نکل کر ترقی کی دوڑ میں اگلی صفوں میں جا پہنچے ہیں۔ ایک جاپانی پروفیسر مس کوٹو او سوئی کے مطابق جاپان کی ابتدائی صنعتی ترقی تعلیمی میدان میں ترقی کی مرہون منت تھی۔ اس طرح حالیہ عشروں میں کوریا کی صنعتی ترقی بھی ایک کوریائی پروفیسر سن سوکم کے مطابق تعلیمی میدان میں ترقی ہی کی بدولت ہوتی ہے۔ کوریا نے انسانی وسائل کی ترقی میں سرمایہ کاری کی ابتداء اپنی معیشت کو ترقی

دینے سے پہلے ہی کر دی تھی۔ ان کے خیال میں کوریا کی معاشی ترقی بہت سست رفتار ہوتی، اگر تعلیمی نظام کی ترقی کی بدولت مطلوبہ مقدار میں ماہرین پہلے سے دستیاب نہ ہوتے۔ پروفیسر سوکم کے خیال میں صنعتی میدان میں ترقی کرنے کی کوششوں سے پہلے یہ امر ضروری ہے کہ انسانی وسائل کی ترقی کے لئے مطلوبہ سرمایہ کاری کی جائے۔[30] میاں انعام الرحمن کی رائے میں کسی بھی معاشرہ کی ترقی یا تنزلی کا دارومدار انفرادی کی بجائے اجتماعی کوششوں پر ہوتا ہے کیوں کہ اجتماعی مثبت کوششیں مثبت نتائج لاتی ہیں اور اجتماعی منفی ردعمل بھی معاشرہ کو تنزلی کی طرف لے جاتا ہے۔ منظم گروہ بندی کی افادیت کے متعلق دو آرا نہیں ہو سکتیں۔ کیوں کہ درکار سماجی تبدیلی کے لئے اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ کسی بھی اچھی سوچ کو محض انفرادی لحاظ سے منضبط نہیں کیا جاسکتا کہ فرد کی توانائی اور اس کے کام کرنے کی اہلیت مختصر ہوتی ہے جبکہ سماجی تبدیلی کے لئے ایک مسلسل اور طویل عمل انتہائی ناگزیر ہے مثلاً میڈیا کی جدید خطوط پر تنظیم اور غیر تنظیم کے لئے میڈیا کا جدید طرز پر استعمال کوئی گروہ ہی بہتر طور پر کر سکتا ہے۔ اسی طرح انٹرنیٹ چیٹ رومز کو منظم گروہی انداز میں استعمال کرنے سے سماجی تبدیلی کے عمل کو بہتر اور تیز کیا جاسکتا ہے۔[31] میاں انعام الرحمن کے مطابق معاشرہ میں مثبت تبدیلی لانے کے لئے میڈیا اور مصنفین کا اہم کردار ہوتا ہے کیوں کہ اس طرح عوام کو مایوسی یا پر امیدی کی طرف آسانی سے گامزن کیا جاسکتا ہے۔ سماجی تبدیلی کے لئے مربوط اور منضبط پروگرام تشکیل دیئے جاسکتے ہیں مثلاً

ا۔ مہاجرین کی زندگی پر فلمیں اور ڈرامے۔

ب۔ مختلف برادریوں کے درمیان شادی وغیرہ سے متعلق ناول، افسانے، شاعری کے فن پارے اور ٹی وی، سینما پر ان کی کوریج۔

ج۔ ورکنگ لائن اور بڑھتی عمر کے مسائل جیسے موضوعات پر طبع آزمائی۔

د۔ انٹرنیٹ چیٹ رومز کو منظم کرنا اور انھیں مستقبل کے ایک نئے معاشرتی ادارے کے طور پر قبول کرنا۔[32]

اسی مادی ترقی کے دور میں اگر معاشرہ کے افراد کے درمیان عزت وعظمت کا معیار پیسہ ہی بن جائے گا تو لامحالہ لوگ پیسہ حاصل کرنے کے لئے منفی سے منفی ہتھ کنڈے استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ لہذا معاشرتی اقدار میں تبدیلی ضروری ہوتی ہے یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ سماجی نظام اور اس کی اقدار ہی معاشی رویے کو متعین کرتی ہیں۔ لہذا ثقافتی اتیج کے حامل مذکورہ سماجی نظام کی کوکھ سے ہی نئے معاشی ڈھانچے کے خدوخال جنم لیں گے۔ ذرا تصور کیجئے کہ اگر آج کے سماجی نظام کی بنیادی قدر "سادگی" ٹھہر جائے تو اس کے نتیجے میں کتنی بڑی معاشی تبدیلی رونما ہوگی۔ ایک نئی معیشت جنم لے گی۔ جسے ہم ماحولیاتی معیشت قرار دینے میں حق بجانب ہوں گے۔[33]

ترقی پذیر ممالک اور تحقیقی عہد:

ڈاکٹر عبد الوھاب سوری، ٹیکنالوجی کی ترقی کے متعلق کردار کی بحث میں کمیونسٹوں کے دعوؤں اور ان کے انجام کے بارے میں ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:۔ ٹیکنالوجکل ترقی کا یہ ماڈل جو کیمونسٹوں نے استعمال کیا اسے ترقی بذریعہ پلاننگ (Scientific Development by virtue of planing) کہا جاتا ہے۔ روسیوں نے اس کے لئے کام کرنا شروع کیا اور 1944ء سے لے کر 1974ء تک پچاس برسوں میں انہوں نے جو ترقی کی اس نہج کے مطابق کی جس میں ان کی شرح ترقی 9 فی صد سے لے کر 13 فی صد تھی اور

گریزرڈ نے جب نیویارک میں جا کر تقریر کی تو اس نے کہا کہ ہم جس رفتار سے ترقی کر رہے ہیں ہم امریکہ کو اس کے اندر دفن کر دیں گے۔ خلا (Space) کو انہوں نے پہلے مسخر کیا یعنی وہاں وہ پہلے پہنچے۔ حیاتیاتی سائنسز (Biological Scineces) انہوں نے پہلے ڈویلپ کیں، (TheraticalScines)اور اس میں بے تحاشا کام کیا اور انہوں نے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کو اصل میں جس نے شکست دی وہ روس کی سرخ فوج تھی۔ یہ روسی تھے جنہوں نے مشرقی یورپ کے محاذ پر جرمنوں کو شکست دی، امریکیوں کو تو مار ہی نہیں پڑی جب کہ روسیوں کے جنگ میں بیس لاکھ لوگ مارے گئے۔ لیکن 1974ء میں گریزرٹ نے یہ دعویٰ کیا اور 1989ء میں روس ٹوٹ گیا، گویا ایک دم غبارے سے ہوا نکل گئی۔[34] تعلیم جو کہ بذات خود ایک تحریک کا نام ہے لہٰذا اس میں بھی جمود کا ہونا معاشرہ کے لئے اور افراد کے لئے مفید نہیں کیوں کہ وقت میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ تعلیم کی ضروریات میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ لہٰذا معاشرہ کی ضروریات کے مطابق تعلیم میں تبدیلیاں کرنے کے لئے نصاب میں تبدیلی ضروری ہوتی ہے ورنہ تحقیقات بھی مفید نہیں ہو سکتی ہیں۔ تحقیق و ترقی کی اہمیت احساس کرتے ہوئے سائنس اور ٹیکنالوجی کے سیکٹر کو فروغ دینے کے لئے کوششیں کی جانی چاہئیں۔ مسلمانوں کا ماضی سائنٹفک ریسرچ میں قابل فخر روایات سے پر ہے۔ ان کے دوبارہ احیاء کی ضرورت، کیونکہ کسی قوم کی ترقی پیش رفت محرکہ فراہم کرتی ہے۔ ماضی پر ایک طائرانہ نظر کے ساتھ ہمیں مستقبل کی جانب متوجہ ہونا چاہئے، تاکہ ہم جذبہ اور اعتماد حاصل کرتے ہوئے تحقیق اور ترقی کی سرگرمیوں میں تمام امکانات کو اچھی طرح کھنگال سکیں۔ مقصد کے حصول کے لئے کامیابی کی کنجی یا مقصد مربوط کوششوں، محنت، جانثاری اور لگن میں ہے۔ آئن سٹائن کے الفاظ میں "کامیابی 10 فی صد جذبے اور 90 فی صد سخت محنت پر مشتمل ہے"۔[35] ہماری تعلیمیونیورسٹی کی سطح پر اعلیٰ تحقیق کے حامل سکالرز کی ریسرچ کو پالیسیاں مرتب کرنے میں استعمال کرنا ضروری ہے اور تحقیق کے معیار کے مطابق ہی محققین کی حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے اور اعلیٰ پائے کی تحقیق کو عملی زندگی میں قابل عمل بنانے کے لئے استعمال کرنا ضروری ہے۔

مسلم ممالک کے تحقیق و ترقی R&D کے شعبوں کو ایک مربوط پالیسی کے تحت یونیورسٹیوں کے تدریس اور تحقیقی شعبوں کے ساتھ منسلک کر دیا جائے تاکہ اعلیٰ تعلیم کی کٹھالی سے نکلنے والے لوگ قومی سطح پر دوطرفہ فائدے کا باعث بنیں۔ ایک طرف ملکی سطح پر R&D کی سرگرمیوں کے معاملات سے استفادہ کریں اور دوسری طرف اپنے حقیقی منصوبے R&D کی ملکی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے تشکیل دیں۔[36] سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی اسلامی معاشرہ کو ترقی کی طرف گامزن کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کو اسلامی معاشرہ کے ہر شعبہ میں عملی نفاذ کو ضروری سمجھتے ہیں بصورت دیگر قول و فعل میں تضاد ہی رہے گا۔ روحانی ترقی کا یہ راستہ صرف افراد ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ جماعتوں اور قوموں کے لئے بھی ہے۔ ایک فرد کی طرح ایک قوم بھی ایمان، اطاعت اور تقویٰ کی منزلوں سے گزر کر احسان کی انتہائی منزل تک پہنچ سکتی ہے اور ایک ریاست بھی اپنے پورے نظام کے ساتھ مومن، مسلم، متقی اور محسن بن سکتی ہے۔

بلکہ درحقیقت اسلام کا منشا مکمل طور پر تو پورا ہی اس وقت ہوتا ہے کہ ایک پوری قوم اس راہ پر گامزن ہو اور دنیا میں ایک متقی اور محسن ریاست قائم ہو جائے۔[37] ڈاکٹر سعید اللہ قاضی کے نقطہ نظر کو پروفیسر مسلم سجاد مرتب کرتے ہوئے جدید دور میں الیکٹرانک میڈیا کے معاشرہ پر اثرات کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔ احیائے اسلام اور اصلاح معاشرہ ممکن ہی نہیں ہے جب تک ریڈیو ٹیلی ویژن وغیرہ کے پروگراموں میں انقلابی تبدیلی نہ ہو اور شیطانی تعلیم اور تربیت کے ان مراکز سے بے راہ روی اور عریانی کی اشاعت بند نہ ہو۔

اسلامی نظام میں ریڈیو، ٹی وی اور فلموں کے پروگرام مغربی ممالک سے بالکل مختلف ہونے چاہئیں۔ ان اداروں کو چاہئے کہ نظریہ پاکستان اور تعلیمات اسلام کے مبلغ بنیں۔ [38] اپنے ملک پاکستان میں اسلامی نقطہ نظر سے تبدیلی لانے کے لئے معاشرتی و معاشی اقدار کو اسلامی بنانا بھی ضروری ہے اور اس کے لئے محض آمدنی کے ذریعہ کے لئے غیر اسلامی اور غیر اخلاقی اشتہار بازی کی روک تھام بھی ضروری ہے۔ اسلامی نظام تعلیم اور مطالعہ اسلامی کے پروگرام میں ایسے نظام ابلاغ(Communication) کی طرف لازماً پیش رفت ہونی چاہئے۔ جس میں مذکورہ بالا تضادات اگر خدانخواستہ پوری طرح ختم نہ بھی ہوں سکیں تو معاشرتی سطح پر حتی المقدور کم کرنے کی منظم کوشش ضرور جاری رہے۔ یہ مثبت فکر، معاشرتی دباؤ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ [39] ڈاکٹر مبارک علی سماجی اور معاشی تبدیلی کے متعلق اور مذہبی تبدیلی یوں یکسانیت یا غیر یکسانیت کے متعلق بیان کرتے ہوئے جدید دور میں مذہبی تصورات کو موثر کاری ثابت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ مذہب کی تاریخ میں یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے کہ کیا معاشرے کی سماجی معاشی اور مذہبی تبدیلیوں کے ساتھ مذہب کو بھی بدلنا چاہئے یا اسے اپنی بنیادی تعلیمات پر برقرار رکھنا چاہئے؟ وہ لوگ جو مذہب کی بنیادی تعلیمات کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ ان تبدیلیوں کے باجود بنیادی تعلیمات کی روشنی میں زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ ان کے اس رویہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں علیحدگی میں رہتے ہوئے اپنی دنیا آپ بنانے کی کوشش کرنا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دوسرے وہ لوگ ہیں کہ جو سمجھتے ہیں کہ تبدیلیوں کے ساتھ جب مذہب کی بنیادی تعلیمات ساتھ نہ دے سکیں تو پھر اس کی نئے انداز میں تاویل کرنی چاہئے تاکہ مذہب کو زمانہ کے مطابق ڈھالا جاسکے اور اس کو حالات کے تحت اپنے مفادات کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ [40] ڈاکٹر عبدالرشید ارشد کے مطابق انسانوں کی بقا اور امن الہامی تعلیمات ہی میں پنہاں ہے اور اس لئے کہ یہ محض دنیاوی ترقی کی بجائے دونوں جہانوں دنیاوی اور اخروی فلاح کا تقاضا کرتی ہیں اور محض دنیاوی مادی فلاح اخروی فلاح کے برعکس ہے۔ ہر فرد اپنی ذات کو پہنچانے، اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا جائزہ لے۔ ان کو ترقی دینے کی کوشش کرے۔ اسی ترقی کے راستے میں جو روکاوٹیں حائل ہوں انہیں پار کرے۔ اسی استحکام خودی کے ذریعے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ استحکام خودی کا ابتدائی قدم اللہ کے بتائے ہوئے احکام و ہدایت کی اطاعت ہے۔ [41] جدید دور کی صنعتی ترقی نے بلاشبہ انسانوں کو بہت سی سہولیات سے مالامال کر دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مختلف پریشانیاں اور مالی مسابقت بھی روز بروز جنم لے رہی ہے۔ چودھویں صدی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے دنیا کو بے شمار ایسی ایجادات سے روشناس کیا جن کا تصور بھی گزشتہ زمانوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ مگر مغرب کی قیادت کی وجہ سے، چونکہ یہ ترقی ایمان و اخلاق، روحانی اقدار اور فکر فردا کی احساس سے عاری تھی، اس لئے یہ جدید ایجادات انسانیت کے لئے راحت و سکون کا ذریعہ بننے کی بجائے عذاب الٰہی کا مظہر بن کر رہ گئیں، یہی وجہ ہے کہ جس شخص کے پاس یہ اسباب راحت جتنے زیادہ ہوں گے وہ اسی قدر پریشان اور بے چین نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ بہت سے افراد تمام تر اسباب راحت و آسائش کے باوجود طبعی بھوک اور طبعی نیند کی نعمت سے محروم ہیں۔ دوائیاں غذا کی طرح کھائی جارہی ہیں اور تھوڑی دیر آرام کے لئے خواب آور دوائیوں، گولیوں اور انجکشنوں کا سہارا لیا جارہا ہے اور بسا اوقات وہ بھی بے کار ثابت ہوتے ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان ترقیاتی ایجادات کے ساتھ خدا فراموشی کا زہر آمیزہ ہے، جو روح اور باطن کو ہر دم بے چین کئے رکھتا ہے۔ [42] بلاشبہ جدید دور میں نئے نئے الیکٹرانک آلات آنے کی وجہ سے دور دراز کے علاقوں تک روابط اور لین دین میں آسانی تو ہوگئی ہے لیکن اب قریب رہنے

والوں کے لئے وقت نکالنا مسئلہ بن گیا ہے۔ جدید دور کا انسان ضروریات زندگی کے حصول کی خاطر نئی ایجادات کر رہا ہے اور نئے اقتصادی و معاشی ذرائع کی تلاش میں سرگرداں ہے، مختصر یہ کہ مادی ترقی و معاشی خوشحالی موجودہ دور کے انسان کا سب سے بڑا مطمع نظر ہے۔

دور حاضر کا انسان اس مقصد کے حصول کی خاطر نئے نئے طریقے اور انوکھے حربے استعمال کر رہا ہے۔ اس کی سوچ کا محور صرف اس کی اپنی ذات اور اپنا مفاد بن چکا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ دوسروں کے حقوق و مفادات سے لاتعلق ہو چکا ہے، وہ اپنے آپ کو سنوارنے اور دوسروں کو تباہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس کے کسی انفرادی فعل سے معاشرے کی اجتماعی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس کو تو صرف اپنی مادی ترقی اور خوشحالی سے غرض ہے۔[43] پروفیسر خورشید احمد اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ مسلم ممالک جو اکثر ترقی پذیر ممالک میں شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ کئی مسلم ممالک مالی وسائل سے مالامال ہیں۔ اس کے باوجود وہ وسائل کو درست انداز سے استعمال نہ کرنے کی صورت میں پسماندہ ہیں۔ لہذا قابل مفید چیزوں کو مستعار لیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آج معیشت، صنعت، سائنس، ٹیکنالوجی اور اسلحہ سازی کے میدان میں غیر مسلم اقوام ہم سے بہت آگے ہیں۔ اس فن میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا فہم ہم ان سے حاصل کر سکتے ہیں اور ہمیں ان سے حاصل کرنا چاہیے، کہ علم و ہنر انسانیت کی مشترک میراث ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو تہذیبی تقاضے مطلوب ہیں اور جو ثقافتی مسائل درپیش ہیں ان میں ہماری منزل اور ہماری تہذیب کا تحفظ بھی ہونا چاہیئے۔ اس کو پروان چڑھانے اور اسے غالب کرنے کی جدوجہد کرنا ہمارے مقاصد میں اولیت کا حامل ہونا چاہیئے۔ اس لئے جب ہم اور خود انحصاری کی اصطلاح کر رہے ہوں تو یہ نہ سمجھیں کہ خود انحصاری کے معنی دنیا میں کٹ کر رہ جانے کے ہیں۔[44] بلاشبہ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال نے فوائد اور آسانیاں مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ کئی قسم کے خطرات سے بھی لاحق کر دیا ہے کیوں کہ اب آن لائن بینکنگ کی مدد سے اکاؤنٹس سے رقوم بھی دوسرے اکاؤنٹس میں ٹرانسفر ہونے سے مالی ادارے پریشان ہیں۔ دور جدید میں علمی طریقوں کی ترقی اور اجتماعی زندگی میں نت نئے پیچیدگیوں کی راہ پانے کی وجہ سے ریاست کا دائرہ کار برابر بڑھ رہا ہے۔ اب دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک میں ریاست کا کام محض امن و امان اور نظم و ضبط قائم رکھنا ہی نہیں بلکہ اجتماعی عدل اور سماجی فلاح کا قیام بھی ہے۔ آج ریاست نے ایک مثبت کردار (Role) اختیار کر لیا ہے اور وہ زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کر رہی ہے۔[45] پروفیسر ملک حسین یہ حقیقت پسندانہ رائے پیش کرتے ہیں کہ جدید دور کی زندگی نے پیچیدگیاں اور مسائل بھی ایسے ایسے پیدا کئے ہیں جن کے بارے میں ماضی میں کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا تھا، آج کل وہ ممکنات میں شامل کیا جانے لگا ہے۔ جدید زندگی پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جا رہی ہے۔ پوری دنیا نے ایک معاشرے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ معلومات اور نظریات کا ابلاغ ناقابل نفور حد تک تیز رفتاری سے ہو رہا ہے۔ ماحول کی آلودگی (Pollution) ٹیکنالوجی کی وجہ سے استحصال صحت اور خوراک کے مسائل، معاشی عدم توازن سماجی ناہمواریاں، اعصابی تناؤ اور اس طرح کے دیگر سینکڑوں مسائل ایک ہمہ گیر حکمت کو بروئے کار لائے بغیر حل ہوتے نظر نہیں آتے۔ ہمہ گیر حکمت کے حامل ان اذہان کی تیاری جامعات کا کام ہے جو ان کے ہمہ گیر اور وسیع بنیادوں پر علمی پروگراموں کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔[46] جہاں تک پاکستانی ریاست کا تعلق ہے یہ اپنے قیام کے دور سے آج تک نئے نئے مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ لہذا اسی وجہ سے یہ ترقی یافتہ قوموں میں اپنا وجود منفرد طور پر پیش نہیں کر سکی۔ تاہم ہر دور میں امید کی کرنیں موجود رہی ہیں۔ پاکستان سمیت تیسری دنیا کے تمام ممالک بھوک، افلاس، بیماری، جہالت اور کئی ایک اندھی رسوم میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان ممالک کی معاشی ترقی کے راستے میں وہاں کے سماجی نظام کی فرسودہ روایات کو بڑا دخل ہے۔ علاوہ ازیں سیاسی

ثقافتی اور مذہبی ادارے بھی بڑی رکاوٹ ہیں۔ معاشرتی ڈھانچے میں تبدیلی لائے بغیر معاشی نظام میں تبدیلی قریب قریب ناممکن ہے اور معاشرتی نظام میں تبدیلی لانے کے لئے لوگوں کی سوچ اور رویوں کو تبدیل کرنا ہوگا جبکہ لوگوں کے رویوں اور فکر میں تبدیلی کے لئے کم از کم پرائمری تعلیم لازمی ہے۔ اس طرح پرائمری تعلیم بالواسطہ معاشی طور پر بار آور ثابت ہوسکتی ہے اور ایسا کرنے کے لئے پرائمری تعلیم کا عام ہونا بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔[47]

سائنسی تعلیم اور مسلم معاشرے:

اگر ترقی پذیر ممالک اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان پائی جانے والی تفاوت کا جائزہ لیا جائے تو یورپی اور غیر ملکی علمی برتری کی ابتدا، جرمنی کے چھاپہ خانہ کے قیام کے ساتھ ہی ہوئی جب اشاعت میں آسانی پیدا ہو گئی۔ مغربی ممالک اور مسلمان ممالک کے درمیان تعلیم کا یہ فرق 1440ء سے شروع ہوا جب جرمنی میں گٹن برگ نے چھاپہ خانہ ایجاد کیا۔ اس ایجاد کے ساتھ ہی یورپ میں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں شائع ہونے لگیں اور اگلی دو تین صدیوں میں اسی فی صد سے زیادہ لوگ خواندہ ہو گئے۔ یہ چھاپہ خانہ ساڑھے تین سو برس کے بعد کہیں جا کر مسلمان دنیا میں اس وقت پہنچا جب 1780ء میں ترکی میں پہلا پریس لگا۔ تاہم اس وقت بھی پریس کو ایک شیطانی آلہ سمجھا جاتا تھا اور ترکی کے شیخ الاسلام نے یہ پابندی لگائی کہ پریس میں مذہبی کتابیں نہیں چھاپی جائیں گی۔[48] سعید انصاری ترقی کے ضمن میں تعلیم کی ضرورت کو اجاگر کرتے ہیں اور سعید انصاری کے نقطہ نظر میں تعلیم ہی ہے جو آنے والی نسلوں کی بھی آبیاری کرتی ہے اور تعلیم ہی سے موجودہ مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے اور تعلیم ہی ماضی کی روایات کو محفوظ کرنے کی ضمانت دیتی ہے۔ تعلیم کا آغاز اور تنظیم کسی خلاء میں نہیں ہوسکتی بلکہ وہ زندگی کے بطن سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس کی گوناگوں ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ اور اس کی ترقی کی ضمانت ہے۔ جس طرح انسان اپنے مختلف مقاصد اور اغراض کی تکمیل کے لئے مختلف ادارے قائم کرتا ہے مثلاً حکومت یا صنعت و حرفت یا پولیس کا محکمہ، جن کے ذریعے وہ خاص خاص کاموں کو خوبی کے ساتھ انجام دینا چاہتا ہے، اس طرح وہ بحیثیت مجموعی زندگی کے امکانات کو ظہور میں لانے اور انسانوں کی سیرت اور دماغ کی بہتر نشوونما اور تشکیل کے لئے تعلیم کا نظام قائم کرتا ہے۔ ابتدا میں تعلیم اور زندگی کا یہ زندہ رشتہ صاف نظر آتا ہے۔ تعلیم زیادہ تر عملی نوعیت کی ہوتی ہے اور بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ اپنے بڑوں اور عملی مشاغل میں شریک ہو کر حاصل کر سکتا ہے۔ وہ جو کچھ معلومات اور واقفیت اور سماجی سمجھ داری حاصل کرتے ہیں، وہ ان کی زندگی کا جزو بن جاتی ہے اور ان کے کاموں پر براہ راست اثر ڈالتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس علم کا دائرہ محدود ہوتا ہے لیکن اس سے کسی اور علم کی تلافی ایک حد تک اس طرح ہو جاتی ہے کہ اس علم میں واقفیت ہوتی ہے کیوں کہ وہ اپنی ذاتی کوشش اور کاوش کا پھل ہوتا ہے۔[49] اگر کسی بھی معاشرے کی ترقی اور مہذب پن کا اندازہ کرنا ہو تو اس معاشرے کی تعلیم کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے۔ جس سے معاشرے کی حالت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ تعلیمی ترقی معاشرے کی ترقی اور تہذیب یافتہ ہونے کو ظاہر کرتی ہے کیوں کہ جتنے لوگ تعلیم یافتہ ہوں گے اتنے ہی زیادہ لوگ تہذیب یافتہ ہوں گے اور وہ متمدن اور مہذب ہوں گے اور جرائم کی شرح بھی کم ہو گی۔ تعلیم کا ہمیشہ ایک ہی تفاعل ہوتا ہے اور وہ معاشرے کی بقاء، استحکام اور ترقی ہے۔ چونکہ تعلیم اور معاشرے کی بقا و ترقی باہم لازم و ملزوم ہے، اس لئے پہلے معاشرے کی ماہیت و نوعیت کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تاکہ تعلیم کے تفاعل کو درست طور پر سمجھا جا سکے۔[50] تعلیم کے مختلف مقاصد میں سے یہ بھی ایک اہم مقصد ہے کہ ہم ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے اپنے حال کو بہتر بنائیں اور مستقبل کی فکر کرتے ہوئے حال میں ہی اس کے لئے میسر پالیسیاں مرتب کریں

۔ تعلیم کا مقصد انسانی روح کے بوجھ میں کمی لانا ہے کیوں کہ صرف ہلکی پھلکی روحیں ہی الوہی بلندیوں کو چھو سکتی ہیں۔ مردہ زمانوں کا بوجھ شعور کے بیج میں کونپل نہیں پھوٹنے دیتا اور بیج آہستہ آہستہ خراب ہو کر ختم ہو جاتا ہے کسی شخص کی انفرادیت کا بیج ماضی کے بوجھ سے چھٹکارا پائے بغیر نہیں پھوٹ سکتا۔ ماضی کی گرفت کمزور پڑنے پر ہی انسان ترقی کر سکتا ہے۔ ماضی محض زینہ ہے جس پر چڑھنے کے بعد اسے پیچھے چھوڑ دیا جانا چاہئے۔ اس سیڑھی کو سر پر اٹھائے پھرنا عقلمندی نہیں۔[51] کسی بھی خاندان، معاشرہ یا ملک کی ترقی کا انحصار اپنے حالات، وسائل اور مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے بنائی گئی پالیسیوں پر ہوتا ہے کیوں کہ ہر ملک کے وسائل و مسائل مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا ان کو اختیار کرنے کے طریق بھی لازمی طور پر مختلف ہوں گے۔ کسی ملک و قوم کی ترقی کا انحصار اس کے تصور حیات کی عظمت پر ہوتا ہے اور اس تصور حیات کا عکس علوم میں نظر آتا ہے۔ ہمارے علوم کی تشکیل جدید ہماری اپنی اخلاقی اقدار پر کرنے کے لئے ہمیں مغربی فکر کی اندھی تقلید سے نکل کر اسلام کی آفاقی اقدار کی بنیاد پر تصور تعلیم اور اصناف علم کو نئے سرے سے مدون کرنا ہو گا تا کہ ہر شعبہ علم سے وابستہ محقق کائنات اور خالق کائنات کے باہمی تعلق کو تسلیم کرتے ہوئے انسانیت کی فلاح اور ایک اخلاقی معاشرہ، اخلاقی معیشت، اخلاقی سیاست اور اخلاقی ثقافت کی تعمیر کر سکے۔[52] اگر انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ چیز واضح ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا سلسلہ شروع لوگوں کی راہنمائی کے لئے کیا اور جس امت میں بھی پیغمبر بھیجا گیا تو اس پیغمبر نے توحید کی دعوت کے بعد پائی جانے والی خرابیوں کی اصلاح کی۔ انسانی تمدن جتنا جتنا ترقی کرتا رہا اور انسانی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کے قابل ہوتا گیا۔ اتنے ہی وقفے سے پیغمبر بھی آنے لگے۔ حتی کہ آخری مرتبہ پوری بین الاقوامی زندگی پر پیغمبرانہ جدوجہد کا نقش ثبت کر کے اس سلسلے کو بند کر دیا گیا۔ کیوں کہ پیغمبروں کی یہ تاریخی جدوجہد" حجت من بعد الرسل"پیغمبروں کے بعد دلیل و محبت بن چکی تھی۔[53]

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے سلسلہ کو نبی اکرمؐ پر ختم کیا کیوں کہ ان کی تعلیمات قیامت تک کے لئے کار آمد ہیں لہذا اب اس امت کو نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنے کی ذمہ داری دی گئی لہذا اہل علم حضرات کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فرد اور معاشرہ کے لئے جدید دور کی اصطلاحات کو واضح کرنا ہو گا۔ جدید دور کا ایک سوال یہ بھی ہے کہ ریاست خود کسی حد تک ہے اور کسی حد تک سائنس اور ٹیکنالوجی کی جدید ایجادات کی وجہ سے کچھ دوسرے اداروں کی محتاج ہے۔ دوسرے انقلاب کے بعد تقریباً ہر دائرہ میں کمپیوٹر کے استعمال کے موجودہ دور نے فرد اور اجتماع کے تعلقات کو بھی کئی طرح متاثر کیا ہے۔ معاشرہ کی ایک نمائندہ طاقت ریاست اور اس کے براہ راست ماتحت ادارے ہیں اور دوسری طرف اس کی نمائندہ ایسے متعدد اور متنوع اداروں کے ذریعہ ہوتی ہے جو اپنی طاقت کے لحاظ سے ریاست سے کم طاقتور نہیں ہوتے۔[54] کسی بھی کام کے لئے غور و فکر ضروری چیز ہوتی ہے اور قرآن کریم کی پیشتر آیات میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے لیکن یہ اس امت کی بد قسمتی ہی ہے کہ جس کے لئے علم کا حصول ضروری قرار دیا گیا ہے وہی علم میں بھی پیچھے ہے اور اپنی پستی کی وجہ ماضی کی حکومتوں کو قرار دینا برصغیر میں عام پایا جاتا ہے۔ لہذا ان کو مورد الزام ٹھہرانے کی بجائے اپنے حال کو بہتر بنائیں اور آنے والی نسلوں کے لئے بہتر حالات تیار کر کے جائیں۔ کسی بھی ملک اور معاشرہ کے استحکام کی بنیاد اس ملک اور معاشرہ کی نئی نسل کی فکر و عمل کی نوعیت ہوا کرتی ہے۔ اور نئی نسل کی بنیاد ابتدائی تعلیم و تربیت ہی سے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مستحکم ہو جانے کے بعد سے ہی سامراجی طاقت کو جس بات سے پریشانی ہوئی وہ صرف یہ تھی کہ ملک کے گوشے گوشے میں مکتبوں اور مدرسوں کا جال بچھا ہوا ہے اور یہی مقامات ہیں جہاں سے وہ کردار نکلتے ہیں جن سے انگریز کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر لیٹنو (Dr. Leitnev)اور کیریارڈی نے

کمپنی کو یہ کہہ کر کہ برصغیر میں ہر طرف مکتبوں اور مدرسوں کا جو جال بچھا ہوا ہے ان کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ چونکایا اور جب کمپنی نے معلومات کیں تو معلوم ہوا کہ صرف بنگال میں اسی ہزار (80000) تعلیمی ادارے ہیں جو مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کی شکل میں چل رہے ہیں چنانچہ وہیں سے ابتداً کمپنی نے بعد میں برطانوی حکومت نے ان مکتبوں اور مدرسوں پر کاری ضرب لگائی۔[55] جہاں تک معاشرے کی تعلیم کا تعلق ہے ہمارے ملک میں روایتی تعلیمی ادارے تو کثرت سے موجود ہیں لیکن فنی تعلیم جو کہ کسی بھی فرد کو معاشرہ کے لئے بوجھ بننے سے بچاتی ہے، اس کے ادارے کم ہیں۔ سائنس، فنی تعلیم اور تحقیق کا میدان کسی بھی قوم کی نشوونما، ترقی و سلامتی کے لئے ناگزیر اور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ ان سے معاشرے کو وہ قوت محرکہ فراہم ہوتی ہے، جس کے بغیر کسی قوم کی ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مسلم دنیا اس وقت تاریخ کے ایک اہم دوراہے پر کھڑی ہے۔ اس کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ان مضامین میں جدید تعلیم اور عصری معاشرتی زندگی کے تقاضوں کے مطابق ہونی چاہئے۔ اور اس میں اتنی لچک ہو کہ وہ ترقی اور خوش حالی کے لئے تیزی سے بدلتی دنیا کی ضروریات اور چیلنجوں کا ساتھ دے سکے۔ یوں سائنس اور فنی تعلیم میں پیش رفت کا مطلب معیشت میں ترقی ہے۔[56] "اسلام اور تعمیر شخصیت "کا مصنف تعلیم کو شخصیت میں افراط و تفریط کے رویوں سے بچا کر معتدل رویہ اپنانے کی طرف گامزن کرنا قرار دیتا ہے گویا انسان کی موجودہ زندگی کا مقصد تعمیر و استحکام شخصیت ہے اور کائنات وہ میدان ہے جہاں اس مقصد کی تکمیل ہوتی ہے، بقول آر۔ جی گورڈن "انسانی شخصیت کا کام ہی کائنات پر اثر انداز ہونا ہے" اور اسی سے کائنات کے اس ڈھانچے کی اہمیت ہے۔ ورنہ انسانی عمل کے بغیر محض اس ڈھانچے کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہی مصنف آگے رقم طراز ہے کہ "کائنات کوئی ناقابل تبدیل چیز نہیں بلکہ یہ ایک بہتا ہوا عمل ہے جو انسانی فعل سے خواہ وہ کسی قدر معمولی ہو، بہت جلد اثر پذیر ہوتا ہے۔[57] ترقی یافتہ ممالک میں تعلیم کو موثر کرنے کے لئے تحقیقات کو عملی زندگی میں لاگو کیا گیا ہے اور پالیسیاں مرتب کرنے والے نصاب مدن کرنے والے تحقیقات کے نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی پالیسیوں کو مرتب کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی ترقی کی رفتار ہی ان کے اعمال کی شاہد ہے۔ ترقی یافتہ معاشرے اپنی ترقی کے لئے علوم و فنون کی اعلیٰ درسگاہوں کے مرہون منت ہیں مغرب کی خیرہ کن ترقی، امریکہ کا دنیا میں قائدانہ کردار اور جاپان کی دنیا پر چھائی ٹیکنالوجی اور معاشی فتوحات جامعات اور اعلیٰ تعلیم کے دیگر اداروں کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ ترقی پذیر معاشرے محض نقالی اور ٹیکنالوجی ٹرانسفر کی بھیک سے بلندیوں کی طرف بھاگتی ترقی یافتہ دنیا کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ جب تک جامعات میں کیا گیا بنیادی علمی کام ٹھوس بنیاد فراہم نہیں کرے گا۔ تب تک کوئی ترقی پذیر معاشرہ تیز رفتار ٹیکنالوجیکل دور کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ان معاشروں میں جامعات کو نہ صرف ترقی یافتہ معاشروں کی جامعات کا سارول ادا کرنا ہے بلکہ Development Gap کو پاٹنے کے لئے خصوصی حکمت عملی بھی وضع کرنا ہے۔ اس مقصد کے لئے جاپان، کوریا اور چین کی عملی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔[58] کسی بھی معاشرے کی ترقی اور اصلاح کا اندازہ کرنے کے لئے محض نیکی اور اچھائی کی دعوت دینے والوں کی بجائے برائی اور برے کاموں سے روکنے والوں کی تعداد کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے۔ اور جس معاشرہ میں برائی سے روکنے والوں کی تعداد کم ہوتی جائے تو سمجھ لیجئے کہ اس معاشرہ میں اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے۔ معاشرہ کی اصلاح، ترقی اور خوشحالی کے لئے کیا کچھ ہے، جو نہیں ہو رہا، یہ ترقیاتی منصوبے اور طویل سکیمیں، گوناگوں تحریکیں، طویل المعیاد پلاننگ، اقتصادی اور مادی میدان میں مسلسل جدوجہد اور تگ و دو معاشرہ کی مادی ترقیات اور رفاہیت ہی کی خاطر ہو رہا ہے۔ مگر معاشرہ ہے کہ اصلاح کی بجائے فساد میں ترقی کرتا جارہا ہے۔

معاشرتی خرابیاں، خود غرضی، لالچ، رشوت، اقربا پروری، بے حیائی، لذت اندوزی، مادہ پرستی اور جلب منفعت کی خاطر بڑے سے بڑے قومی اور اجتماعی حقوق کی پامالی اس فساد کی واضح علامت ہیں اور در حقیقت اجتماعی معاشرہ انفرادی اور شخصی زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں۔ پس اگر آپ کسی انسانی جسم پر پھوڑے پھنسیاں یا ظاہری فساد دیکھ کر اندرونی خرابی اور فاسد مواد کا تعین کر لیتے ہیں تو علاج کا صحیح اور دانش مندانہ طریقہ یہی ہوتا ہے کہ بیرونی مرہم پٹی اور عارضی اصلاح کی جائے۔ اندرونی مادہء فاسدہ کے ازالہ کی تدابیر اختیار کر لیں کہ جب تک جڑ سے خرابی کا ازالہ نہیں ہو گا جسم رستا اور سڑتا رہے گا اور داخلی فساد اور خرابی رفتہ رفتہ سارے جسم کو ختم کر کے چھوڑے گی۔ عطائی اور ناتجربہ کار طبیب صرف وقتی تدابیر پر اکتفا کریں گے، مگر ہوشیار نبض شناس حاذق اطباء کی نظر خرابی کے اصل سرچشمہ کو پکڑ لیتی ہے۔[59] ترقی پذیر معاشروں کو ترقی کے لئے محض نقالی کرنے اور ترقی کی بجائے اپنے وسائل کو مد نظر رکھ کر پالیسیاں مرتب کرنی چاہئیں ورنہ محض نقالی فائدہ کی بجائے نقصان میں اضافہ کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ سر سید نے معاشرہ کی اصلاح و ترقی کا احساس پیدا کرنے کے لئے مہذب اور غیر مہذب معاشروں کا فرق واضح کیا۔ معاشرتی اصلاح کے لئے مہذب قوموں سے مناسب طور پر استفادہ کرنے کی اہمیت بیان کی۔ تہذیب اور اس کے محرکات کی وضاحت کی اور معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لئے جن امور میں تہذیب کی ضرورت ہے ان کو ایک لائحہ عمل کی شکل میں مرتب کیا۔[60] کسی بھی خاندان کے افراد یا معاشرہ کے افراد کے درمیان ہمدردی اور اخوت کے جذبات جتنے شدید ہوں گے اتنا ہی وہ خاندان یا معاشرہ افراد کے لئے سکون کا باعث ہو گا۔ بصورت دیگر ہمدردی کے جذبات کا فقدان بڑی سے بڑی پالیسیوں کو بھی ناکام کرنے کا سبب بنے گا۔ سماجی رویوں کے تانے بانے میں تعصب غالباً خطرناک ترین ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ یا معاشرہ تعصب سے پاک نہیں۔ کبھی نہ کبھی ہر انسان کو تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم میں سے بیش تر افراد اپنی مذہبی، نسلی، صنفی یا قومی شناخت کی بنیاد پر اس کے شکار ہوتے ہیں۔ تعصب برتنے والے بھی نقصان میں رہتے ہیں۔ کسی فرد یا سماجی گروہ کے لئے ہر لمحہ نفرت محسوس کرنے کا تجربہ بہر حال ایک منفی تجربہ ہے۔ یہ زندگی کے امکانات محدود اور زندگی کی توانائیاں اور مسرتیں معدوم کرتا ہے۔[61] قرآن کریم کی بیشتر آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کیوں کہ غور و فکر ایسی چیز ہے جو نئی نئی چیزوں کی تخلیق کا باعث بنتی ہے۔ غور و فکر ہی دماغوں کو روشن رکھتی ہے بصورت دیگر فارغ ذہن تو شیطان کا اکھاڑہ ہوتا ہے۔ کسی بھی معاشرہ کی ذہنی پسماندگی، معاشی پس ماندگی سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔ اگر ذہن بند ہو جائے، نئے خیالات و افکار کی تخلیق نہ ہو اور تبدیلی کے لئے راستہ ہموار نہ ہو تو اس صورت میں معاشرہ ایک جگہ ٹھہر کر رہ جاتا ہے۔[62] یہی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی معاشرہ کو پروان چڑھانے کے لئے شعبہ تعلیم کا اہم کردار ہے اور شعبہ تعلیم میں اساتذہ کے موثر کردار کے شعبہ کی کارکردگی موثر ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں امتحانی نظام کی خرابی بھی طلباء کو پڑھائی کی بجائے شارٹ کٹ طریقوں کو پر کشش بناتی ہے۔ معاشرہ اپنی بقا اور ترقی کے لئے اعلیٰ ترین، تعلیم یافتہ، تربیت یافتہ افراد چاہتا ہے، ان تقاضوں کی تکمیل کا انحصار موثر نظام تعلیم اور موزوں طرز تدریس پر ہوتا ہے لیکن نقل کی رسم نے ان سب قدروں کو پامال کر دیا ہے کوئی کیوں پڑھائے؟ کوئی کیوں پڑھے؟ جب کہ سب کچھ امتحانی مرکز میں مل جاتا ہے۔ نقل ایک ایسا میزائل ہے، جو ہمارے معیار تعلیم کو پاش پاش کر چکا ہے۔ معاشرے کو قابل اور باصلاحیت کارکنوں، ماہرین اور رہنماؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ناجائز ذرائع اختیار کرنے والے یہ افراد معاشرے کی ترقی کے لئے کیسے کام کریں گے۔ معاشرے میں سچے، دیانت دار محنتی، قابل افراد کی ضرورت ہے، لیکن نقل کے رجحان نے معاشرے کے افراد میں ان اقدار کی پامالی کی ہے۔[63] کسی بھی معاشرہ کے لئے عدل و اعتدال کی اقدار ایسی اقدار ہیں جن کے فقدان کی وجہ

سے معاشرہ کے افراد کے درمیان بد دلی اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور کمزوروں کی حق تلفی ہوتی ہے اور غریبوں پر ظلم ہوتا ہے جو کہ تنزلی کی علامت ہے۔ معاشرہ انسانی قانون اور اخلاقی اقدار میں ایک ایسا رشتہ ہے جس کے توازن میں اگر کچھ گڑبڑ ہو جائے تو برائیوں کے نت نئے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسلام کی روح اعتدال و توازن کو اس رشتہ کی استواری کے لئے نہایت اہم قرار دیتی ہے اور سچی اسلامی زندگی وہی ہے جس میں عدل و احسان، اعمال کی بنیادی قدریں قرار پائیں اور اجتہاد ہی وہ طریقہ کار ہے جو اس استواری کو برقرار اور اسلام کی ہیئت ترکیبی میں عدل و احسان کو معیار فکر و عمل بنا کر حریت کو قائم رکھتا ہے۔[64]

تعلیم اور سماجی مادی ترقی:

ہمارے ملک میں اب اعلیٰ تعلیم کی صورت حال دیگر ترقی پذیر ممالک سے کافی بہتر ہے کیوں کہ اعلیٰ تعلیم کے لئے اندرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لئے اور بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لئے سکالرشپ کی صورت میں تعاون جاری ہے۔ ہمارے ہاں بھی باقی دنیا کی طرح اب سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کے استعمال پر بہت زور دیا جارہا ہے اور شاید یہ وجہ ہے کہ ہم جلدی جلدی ایسے آلات خریدنے میں بھی کوئی حیل و حجت نہیں کر رہے اور اس پر بے دریغ قومی سرمایہ پانی کی طرح بہارہے ہیں۔ چاہے یہ سرمایہ بیرونی قرض کی شکل میں لیا گیا ہو یا ملک کے اپنے وسائل سے حاصل کیا گیا ہو۔ یہ بات ایک لحاظ سے خوش آئند بھی ہے کہ اس کے استعمال سے ہمارا معیار تعلیم بڑھ سکتا ہے کیوں کہ مقولہ مشہور ہے "اچھی تعلیم مہنگی ہوتی ہے"۔[65] پروفیسر عبد القدیر پاکستانی حکومتوں کو تعلیم پر کئے جانے والے اخراجات کو غیر تسلی بخش اور نامناسب قرار دیتے ہوئے مزید فنڈنگ کر کے اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کی سفارشات سے ہم آہنگ کرنے پر زور دیتے ہیں۔ تعلیم کے شعبے میں معاونت کا مسئلہ کسی خالی ذہن کی بے مصرف عیاشی نہیں بلکہ ہماری تعمیر و ترقی، خوش حالی، تشخص، بلکہ بقاء کا مسئلہ ہے۔ وہ یوں کہ جب ہم اپنے تعلیمی منظر پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں ایک عجیب صورت حال نظر آتی ہے۔ بات ان سادہ الفاظ میں نہیں بیان کی جا سکتی کہ حقیقی خواندگی کی شرح میں پچھلی (تقریباً) نصف صدی میں کمی ہوئی ہے۔ تاریک پہلو یہ ہے کہ ہم اپنی کل سالانہ آمدنی کا صرف 2.23 فی صد کے قریب تعلیم پر خرچ کر رہے ہیں جب کہ اقوام متحدہ کے ادارہ تعلیم و ثقافت (یونیسکو) کی سفارش کے مطابق ایک ترقی پذیر ملک کو اپنی آمدنی کا 4.4 فی صد کے قریب تعلیم پر خرچ کرنا چاہئے تا کہ اپنی تعلیم کے اخراجات کو پورا کر سکے۔[66] پروفیسر ڈاکٹر محمد نذیر رومانی کے نقطہ نظر کے مطابق اپنی معاشی، معاشرتی اور تمدنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے تمام پاکستانیوں کو کام کرنے کے اوقات کو بڑھانا چاہئے اس طرح ایک طرف تو پیداوار میں اضافہ ہو گا تو دوسری طرف معاوضہ جات بھی رکھیں۔ قومی تعمیر و ترقی کے لئے ہمیں اپنی پیداواری صلاحیت کو کم از کم دس گناہ زیادہ بڑھانا ہو گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے مزدور بھائی اسے کس رنگ میں لیتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں آٹھ گھنٹے کے بجائے بارہ گھنٹے کام کرنا چاہیے اور انہیں اضافی چار گھنٹوں کا معاوضہ بھی دینا چاہئے۔ تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت، زراعت، اور تجارت، کون سا ایسا میدان ہے جہاں ہماری صورت حال تسلی بخش ہے؟ ظاہر ہے کہ تسلی بخش نہیں ہے اور ان تمام شعبہ جات کا نکتہ آغاز صرف تعلیم ہے۔[67] پروفیسر عبد اللطیف انصاری ملکی صورت حال کو تبدیل کرنے کے لئے نوجوانوں کو اپنی توانائی مثبت کاموں میں صرف کرنے اور منفی کاموں سے بچانے کی تاکید کرتے ہیں۔ قومی تعمیر نو کے کاموں میں ہمارے نوجوان اور طالب علموں کو جوش و خروش کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا چاہئے۔ حقیقی قوم پرستی اور ملی خدمت اس کا نام ہے کہ اجتماعی فلاح و بہبود اور قومی تعمیر نو کے کام رضا کارانہ بنیادوں پر کئے جائیں۔ دوسری ترقی پذیر قوموں کے افراد آج موثر طریقہ پر فلاحی کاموں میں تعاون کر رہے ہیں۔ مثلاً

اسرائیل کی یہودی ریاست کی تعمیر میں اس قوم کے نوجوان بڑا حصہ لے رہے ہیں۔ کالجوں کے طلباء طالبات نے سنگلاخ چٹانوں خشک پہاڑوں اور صحراؤں کو سرسبز بنانے میں جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں وہ ہمارے نوجوانوں کے لئے عمدہ مثالیں ہیں۔ تعطیلات کے ایام میں اگر ہمارے نوجوان اپنے آپ کو ملکی و قومی خدمات کے لئے وقف کر دیں تو یہ کوشش بہت نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں افلاس جہالت اور بیماری کے خلاف جدوجہد کی جارہی ہے اس میں ہمارے نوجوان بہت مفید کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک کے نوجوان ملک میں معاشی انقلاب برپا کرنے میں ہراول دستہ کا کردار ادا کر سکتے ہیں اور کم سے کم وقت میں ملک کے جنگلات زراعت ذرائع رسل ورسائل و نقل وحمل اور آب پاشی وبر قابی کے منصوبوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے کا منظم پروگرام بنایا جا سکتا ہے اور قوم میں ایک نئی روح پھونک کر ایک نیا ولولہ پیدا کر سکتا ہے۔[68] یہی ایک حقیقت ہے کہ تعلیم کو جب سے کاروباری انداز سے خیال کیا جانے لگا ہے اس وقت سے اساتذہ کی نظر مساوی نہیں ہے۔ اور تمام طلباء کو ایک انداز سے تعلیم بھی نہیں دی جاتی۔ یہ چیز طلباء کی نظر میں استاد کی عزت بھی کم کرتی ہے۔ اگر آج کوئی اسلامی حکومت پیشہ وارانہ تعلیم کے مدارس اپنی نگرانی میں قائم کرنا چاہے تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے بلکہ ایک لحاظ سے بہتر ہے کہ یہ تعلیم بھی بغیر کسی دشواری کے سارے بچوں کو حاصل ہوگی اور طالب علموں کو ایسے نامعقول اساتذہ سے نجات ملے گی جو کام کی باتیں اجنبی طالب علموں سے چھپاتے ہیں۔ ایسے اساتذہ کے بارے میں مجھے ایک حدیث یاد آرہی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم کو چھپائے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ لیکن ظاہر ہے کہ آخرت کے خیال کو بعض لوگ طاق میں رکھنے کے قابل سمجھتے ہیں، عمل کرنے کے قابل نہیں۔[69]

شاہد حسین رزاقی مہذب قوموں کی اچھی اچھی چیزوں کو لینے کے لئے سرسید کے اصلاحی نقطہ نظر کو بیان کرتے ہوئے تہذیب یافتہ قوموں کی اچھی باتوں کو اختیار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ مہذب قوم کی پیروی کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں سرسید کا یہ بنیادی اصول تھا اور ان کی اصلاحی تحریک بھی اس اصول پر مبنی تھی اور انھوں نے معاشرتی ترقی کے لئے جن امور کو اپنے پروگرام میں شامل کیا ان میں اس بات کو پیش نظر رکھا کہ مہذب قوموں کی خوبیوں اور ترقی و کمال سے استفادہ کیا جائے۔[70] سرسید مسلمان قوم کو ترقی کی طرف گامزن کرنے کے لئے انہیں سستی و کاہلی سے بچاتے ہوئے اپنے کام خود کرنے کی عادت پروان چڑھانے پر زور دیتے ہیں تاکہ جسمانی صحت بھی برقرار رہے اور کسی قسم کی پریشانی بھی پیدا نہ ہو اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں عار نہیں سمجھنا چاہئے کیوں کہ یہ پیغمبروں کا کام بھی ہے۔ سرسید نے معاشرے کی اصلاح اور ترقی کے لئے اپنی قوم میں جو ایک اور بڑی خوبی پیدا کرنے کی کوشش کی وہ اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ ہے۔ دوسری مشرقی اقوام کی طرح ہندوستانی بھی اس بات کے عمادی تھے کہ ان کی فلاح و بہبود کے لئے جن کاموں کی بھی ضرورت ہے وہ حکومت ہی کرے۔[71] ڈاکٹر عطا الرحمن سائنسدان کے مطابق پاکستان کو ترقی یافتہ بنانے کے لئے اور قرضوں سے چھٹکارہ دلانے کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کو قابل عمل بنانے کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماہرین کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہئے۔ سائنس ٹیکنالوجی اور جدت طرازی کی ترقی کے حصول کے لئے مضبوط اور نظریاتی قیادت کی ضرورت ہے۔ سائنس ٹیکنالوجی اور جدت طرازی کے نفاذ کے لئے حکمت عملی کی تیاری اور مستقبل کے لئے ادارہ قائم ہونا چاہیے اور باقاعدہ پیش بینی مشقیں اقوام متحدہ سے منظور شدہ، اطوار "ڈیلفی" کے مطابق مستقل بنیادوں پر منعقد کرنی چاہئیں۔ ان حکمت عملیوں میں ملک کی تمام وزارتوں کو بھی شامل کیا جانا چاہئے اس پورے عمل میں مکمل طور پر حزب اختلاف کی جماعتوں کی حمایت حاصل ہونی چاہئے اور مسلسل طویل المدتی عمل برقرار رکھنے کے لئے تمام متعلقین جن

میں معاشرے کے خاص افراد، غیر سرکاری تنظیمیں نجی شعبہ جات اور ماہرین کے شامل کرنے کی ضرورت ہے۔[72] پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل کرنے کے لئے سب سے پہلے پاکستان کو غیر ملکی قرضوں سے نجات دلانا ہو گی، پھر وسائل کو قرضوں کی ادائیگی کی بجائے ملکی ترقی اور خوش حالی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سفارشات

- یونیورسٹیوں کے ریسرچ اور ڈیلیپمنٹ کے شعبوں کی تحقیق اور نتائج کو پالیسی بناتے وقت مدِ نظر رکھنا چاہیے۔
- پالیسی ساز اداروں کو یونیورسٹیوں کے ORIC اور R&D سنٹروں سے مربوط کرنے کے اقدامات کئے جائیں۔
- یکساں نظامِ تعلیم مروج کرنے کیلئے یکساں نصابِ تعلیم کو فروغ دیا جائے۔
- ملکی سطح کی ہر ڈگری کے نصاب میں قرآن و سنت کی تعلیم اور احکامات کو اس شعبہ کے مطابق شامل کیا جائے۔
- اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ماہرین کو ملکی اداروں میں تعینات کرنے کے لیے ترغیبات دی جائیں تاکہ وہ مزید ماہرین تیار کرنے کا سبب بنیں۔
- سیاسی وابستگیوں کو ملکی اور تعلیمی ترقی کی بقا کیلئے مدِ نظر رکھا جائے۔
- تعلیمی اور معاشرتی ترقی کے نئے اداروں کے سیاسی افراد کو نوازنے کے بجائے۔ ملکی اور علاقائی ضروریات کے تحت قائم کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔
- جدید ٹیکنالوجی کو فروغ دینے کیلئے زیادہ زیادہ وسائل کی دستیابی ممکن بنائی جائے۔

حوالہ جات:

1 نیازی خان لیاقت علی ڈاکٹر (فروری 2002ء) پاکستان کے لئے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص 21

2 رفیق احمد ڈاکٹر، تعلیمی بحران: نکلنے کے لئے عملی اقدامات، مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (س ن) ہمارے تعلیمی نظام میں ضیاع، مجلہ 12، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص69

3 فوزیہ سلیمی ڈاکٹر، تعلیم میں قابلیت کے ضیاع کا مسئلہ، مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (س ن) ہمارے تعلیمی نظام میں ضیاع، مجلہ 12، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص44

4 عبد الرشید میاں (2015ء) اسلام اور تعمیر شخصیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص3

5 خان وحید الدین مولانا (س ن) اسلامی تعلیمات المکتبۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور، ص112

6 عثمانی محمد تقی مفتی (فروری 2006ء) معاشرتی حقوق و فرائض، مرتب محمد اسحق ملتانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ص370

7 خان عبد الرحمن منشی (مارچ 1983ء) اسلام کا معاشرتی نظام، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ملتان، ص107

8 ارشد عبد الرشید ڈاکٹر (اگست 1995ء) پاکستان میں تعلیم کا ارتقاء، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ص18

9 عبد الرشید میاں (2015ء) اسلام اور تعمیر شخصیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ص203

10 مسلم سجاد پروفیسر (1996ء) اسلامی ریاست میں نظام تعلیم، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص165

11 احمد ریاض الہدیٰ (2000-2001ء) مسلم سلطنت ہند کا زوال 1707ء تا 1857ء علمی کتاب خانہ، لاہور، ص277

12 مسلم سجاد پروفیسر (1996ء) اسلامی ریاست میں نظام تعلیم، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص59 تا 60

13 محمد قطب، موجودہ نظام تعلیم سے اسلامی نظام تعلیم کی طرف، مرتب سلیم منصور خالد (دسمبر 1985ء) نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل جدید، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ، لاہور، ص26

14 مرزا عزیز احمد، غیر حکومتی تعلیمی ادارے، ایک جائزہ اور چند تجاویز مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (1995ء) پاکستان میں تعلیم اور نجی شعبہ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص100

15 احسن نسرین ڈاکٹر، حفصہ احسن۔ خاندان: عصری مباحث اور اسلام، مرتبہ خالد رحمن، سلیم منصور خالد (2008) عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ، طبع دوم، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص52

16 سمیعہ راحیل قاضی: خاندان کی اساس: رشتہ ازدواج، مرتبہ خالد رحمن، سلیم منصور خالد، طبع دوم (2008ء) عورت، خاندان اور ہمارا معاشرہ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص155

17 سہیل شفیق ڈاکٹر (اکتوبر تا دسمبر 2011ء)، انتخاب ترقی علوم، سر سید احمد خان، مجلہ التفسیر (جلد 5 شمارہ 16) ناشر ڈاکٹر محمد شکیل اوج، جامعہ کراچی، ص98

18 افتخار حسین آغا ڈاکٹر (اکتوبر 1979ء) (قوموں کی شکست وزوال کے اسباب کا مطالعہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص58

19 انیس احمد پروفیسر ڈاکٹر (ابتدائیہ)، مجلہ مغرب اور اسلام) جلد 17، شمارہ 1، مدیر پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد (2014ء) اعلیٰ تعلیم، تہذیبی بالادستی اور مغرب، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص13

20 محمد امین ڈاکٹر، نصاب تعلیم اور اکیسویں صدی کے تقاضے، مرتبین ڈاکٹر طاہر تونسوی، ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی (1986ء) نصاب تعلیم اور اکیسویں صدی، نظامت تعلیمات، ملتان، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان، ص49

21 رزاقی شاہد حسین (2014ء) سر سید اور اصلاح معاشرہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص40

22 محمد جاوید حاجی (فنی و تکنیکی تعلیم میں وسائل کا ضیاع) مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (س ن) ہمارے تعلیمی نظام میں ضیاع، مجلہ 12، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص131

23 عبدالرشید ارشد ڈاکٹر (1994ء) تعلیمی پالیسیاں اور اصلاح کی تجاویز۔ ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور، ص14

24 عبدالرشید ارشد ڈاکٹر (1994ء) تعلیمی پالیسیاں اور اصلاح کی تجاویز۔ ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور، ص45

25 صدیقی مشتاق الرحمن ڈاکٹر (جون 1998ء) تعلیم و تدریس، مباحث و مسائل، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص396

26 انعام الرحمن میاں (نومبر 2011ء) اطراف، دینی تعبیر کے چند نئے گوشے، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ص588

27 عزیز احمد پروفیسر (جون 1997ء) برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ترجمہ (ڈاکٹر جمیل جالبی)، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص291

28 عبدالرشید ارشد ڈاکٹر (1985ء) ہمارا نظام تعلیم (نظریہ و عمل) کاروانِ ادب، ملتان صدر، ص284

29 منظور احمد ڈاکٹر (جون 2005ء) چند فکری مسائل، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص156

30 انیس عالم ڈاکٹر، ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں ضیاع، مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (س ن) ہمارے تعلیمی نظام میں ضیاع مجلہ 12، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص111

31 انعام الرحمن میاں (نومبر 2011ء) اطراف، دینی تعبیر کے چند نئے گوشے، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ص235,236

32 انعام الرحمن میاں (نومبر 2011ء) اطراف، دینی تعبیر کے چند نئے گوشے، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ص334

33 انعام الرحمن میاں (نومبر 2011ء) اطراف، دینی تعبیر کے چند نئے گوشے، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ص425

34 سوری عبدالوہاب ڈاکٹر (اگست 2011ء) مسلم معاشرہ اور مغربی تہذیب کا چیلنج (۲) ٹیکنالوجی کی بحث، ماہنامہ البرہان، لاہور، جلد 24 شمارہ 8، ص32

35اقبال محمد ظفر ڈاکٹر (سائنسی و فنی شعبہ تعلیم ہیں وسائل کا ضیاع) مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (س ن) ص 141
36 محمد حسین ملک پروفیسر، جامعات کا نصاب، تجزیہ و تجاویز، مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (1995ء) پاکستان میں جامعات کا کردار، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص117
37مودودی ابو الاعلیٰ سید (مئی 2005ء) اسلام کا نظام حیات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص 47
38 قاضی سعید اللہ ڈاکٹر، مرتب مسلم سجاد، (1990ء) پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل؟، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص 71
39 مسلم سجاد پروفیسر، خالد منصور سلیم مرتبین: (دسمبر 1985ء) انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز (علوم اسلامیہ: چار سالہ آنرز پروگرام) تعلیم اسلامی تناظر میں (۲) انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص144
40مبارک علی ڈاکٹر (1998ء) تاریخ اور مذہبی تحریکیں فکشن ہاؤس، لاہور، ص9
41عبد الرشید ارشد ڈاکٹر (1985ء) ہمارا نظام تعلیم، نظریہ و عمل، کاروان ادب، ملتان صدر، ص255 تا256
42لدھیانوی محمد یوسف مولانا (اپریل 2003ء) معاشرتی بگاڑ کا سد باب، مکتبہ لدھیانوی، کراچی، ص160
43اعوان عبد الغفور، اسلام آباد اور راولپنڈی سے انگریزی ذریعہ تعلیم کے غیر حکومتی ادارے، مرتبین: مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (1995ء) پاکستان میں تعلیم اور نجی شعبہ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص65
44 خورشید احمد پروفیسر، تعلیم، بیرونی معاونت اور حقیقت پسندی، مرتب سلیم منصور خالد (1996) تعلیم میں بیرونی معاونت، انسٹی ٹیوٹ آفپالیسی اسٹڈیز، اسلام. آباد، ص430
45مودودی ابو الاعلیٰ سید (ستمبر 2008ء) اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص17
46 محمد حسین ملک پروفیسر (جامعات کا نصاب، تجزیہ و تجاویز) مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (1995ء) پاکستان میں جامعات کا کردار، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص109
47 گل محمد مہر (جون 1988ء) پاکستان میں پرائمری تعلیم (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ) بیکن بکس، ملتان، ص 61
48 محمد فاروق ڈاکٹر (مارچ 2008ء) امت مسلمہ ------ کامیابی کا راستہ، نیو ایج پرنٹرز، مردان، ص256 تا257
49سعید انصاری (پرنسپل استادوں کا مدرسہ جامعہ ملیہ دہلی) (نومبر 1946ء) ہندوستانی تعلیم اور اس کے مسائل، حاجی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر، دہلی، ص68 تا69
50عبد الرشید ارشد ڈاکٹر (جون 1999ء) دینی تعلیم اور اصلاح معاشرہ، اشاعت الحکمت، لاہور، ص 11
51 گرور جنیش (اوشو) (2013) تعلیمی انقلاب (ترجمہ فیصل اعوان) فکشن ہاؤس، لاہور، ص 41
52 انیس احمد ڈاکٹر پروفیسر، ابتدائیہ، مجلہ مغرب اور اسلام، جلد 17، شمارہ 1، مدیر پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد (2014ء) اعلیٰ تعلیم، تہذیبی بالادستی اور مغرب، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص10
53 فاروقی برھان احمد ڈاکٹر (2014ء) قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص306
54 مسلم سجاد پروفیسر (1996ء) اسلامی ریاست میں نظام تعلیم، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص 13
55 مرتضیٰ متین الرحمن پروفیسر، مرتب: پروفیسر مسلم سجاد (1990ء) پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل؟، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص89

56 محمد ظفر اقبال ڈاکٹر (سائنس وفنی شعبہ تعلیم میں وسائل کا ضیاع) مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (س ن) ہمارے تعلیمی نظام میں ضیاع، مجلہ 12، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص137

57عبد الرشید میاں (2015ء) اسلام اور تعمیر شخصیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص72

58 محمد حسین ملک پروفیسر (جامعات کا نصاب، تجزیہ و تجاویز) مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (1995ء) پاکستان میں جامعات کا کردار، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص109

59 سمیع الحق مولانا (اگست 1976ء) اسلام اور عصر حاضر، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور، ص477

60رزاقی شاہد حسین (2014ء) سر سید اور اصلاح معاشرہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص28

61نصر سلمان ڈاکٹر، تعصب کیا ہے؟، مرتب تنویر جہاں (فروری 2008ء) رواداری (منتخب تحریریں اور دستاویزات) ڈیموکریٹک کمیشن فار ہیومن ڈویلپمنٹ، لاہور، ص26

62مبارک علی ڈاکٹر (جون 2012ء) پاکستانی معاشرہ، تاریخ پبلیکیشنز، لاہور، ص49

63 محمد ابراھیم خالد ڈاکٹر، نقل کے رجحانات، تدارک کی تجاویز، مرتب مسلم سجاد، سلیم منصور خالد (1991ء) پاکستان میں نظام امتحانات (بحراب، اسباب، حل) انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص425

64فاروقی ضیاالحسن، مشیر الحق مرتبین: (اپریل 1978ء) فکر اسلامی کی تشکیل جدید مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص19

65 خالد محمود (جنوری 2000ء)، تعلیم و تدریس میں ٹیکنالوجی کی اہمیت، وسائل و مسائل، مجلہ سہ ماہی، تعلیمی زاویے، جلد 10، شمارہ 4، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، لاہور، ص65

66 سلیم عبد القدیر پروفیسر، تعلیم میں بیرونی معاونت: قومی اور نظریاتی تقاضے، مرتب: سلیم منصور خالد (1996) تعلیم میں بیرونی معاونت، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص22

67رومانی محمد نذیر ڈاکٹر پروفیسر، اعلیٰ تعلیم میں نجی شعبے کا کردار، مرتب: سلیم منصور خالد (1994ء) قومی تعلیمی پالیسی ایک جائزہ (1992-2002)، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص236

68عبد اللطیف انصاری پروفیسر، مرتب: پروفیسر مسلم سجاد (1990ء) پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل؟ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ص32

69 محمد حمید اللہ ڈاکٹر (2012ء) خطبات بہاولپور، بیکن بکس، ملتان، ص295

70رزاقی شاہد حسین (2014ء) سر سید اور اصلاح معاشرہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص32

71رزاقی شاہد حسین (2014ء) سر سید اور اصلاح معاشرہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص134

72عطاالرحمن ڈاکٹر (8 اپریل 2016ء) تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت روزنامہ جنگ ملتان، ص14

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.